سوانح

حضرت سکینہ بنتِ الحسین علیہ السّلام

مصنّف

زبدۃ العلماء سیّد آغا مہدی لکھنوی

حضرت سکینہ بنت الحسین علیہا السلام

طبع سوئم

☆

طبع دوئم ۱۹۵۶ء کی بقیہ نقل اضافے کے ساتھ

مصنفہ

زبدۃ العلماء سید آغا مہدی لکھنوی

*****

ناشر
رحمت اللہ بک ایجنسی
بالمقابل بڑا امام باڑہ، کھارادر، کراچی ۷۴۰۰۰
فون ۲۴۳۱۵۷۷

حرفِ ناشر

مجھے مسرت ہے کہ لسان الملت جناب مولانا سید آغا مہدی صاحب قبلہ کے سفر پاکستان سے افرادِ ملت کو جو فیوض پہنچے اُس سے ادارہ بھی مستفیض ہوا اور ممدوح نے اپنے مقبول رسالہ سکینہ بنت الحسینؑ کے چھاپنے کی اجازت دی۔ عزائے امام مظلوم پر جب آنچ آتی ہے آپ قلم اٹھاتے ہیں اور شبہات کی رگِ حیات قطع ہو جاتی ہے اس رسالہ میں سُنّی شیعہ نظریہ کو دیانت کے ساتھ کتب فریقین کا حوالہ دے کر پیش کیا ہے۔

اس سے پہلے محققین شیعہ نے الزامی جوابات اور خواتین بنی اُمیّہ کی آزادی، عیش پسندی اور بعض کی عصمت فروشی تاریخ کی روشنی میں پیش کی تھی اس کتاب میں یہ رنگ کہیں بھی نہیں ہے اور فریقین ٹھنڈے دل سے مطالعہ کر سکتے ہیں۔

زیادہ خوشی اس بات کی ہے کہ مؤلف علّام نے ہماری استدعا پر سفر میں نظر ثانی کی بھی زحمت اٹھائی اور اپنے قلم سے جا بجا اضافہ بھی فرمایا ہے جس سے یہ شاہکار اور زیادہ مستحکم اور مضبوط ہو کر طبع اوّل سے (جو ماہ ذی الحجہ ۱۳۷۲ھ بھارت میں نشر ہوا تھا۔) بہتر ثابت ہو رہا ہے۔

ناظم ادارہ:-

تعلیمات الٰہیہ پاکستان (کراچی)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ؕ

الحمد للہ الذی انزل السکینۃ فی قلوب المومنین لیزدادوا ایماناً و اشھد ان محمداً عبدہ و رسولہ الذی الان بہ غظاظ القلوب حتی فشی الایمان اسراراً و اعلانا و اتبع اھلہ بنعمۃ اللہ اخوانا و صلّی اللہ علیہ و آلہٖ صلوٰۃ یتبعھا روحاً و ریحاناً و یعقبھا مغفرۃ و رضوانا کما امرنا بہ و اوصانا اما بعد

روزنامہ ہلال بمبئی مورخہ ۱۱ر ۱۳ر و ۱۵ر مئی ۱۹۵۳ء نے حال میں اپنی زہریلی تحریروں سے شیعیانِ ہند میں جو ہیجان پھیلا دیا ہے اُس کو دور کرنے کے لئے میں اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ قلم اٹھاؤں۔ حضرت سکینہ بنت الحسینؑ کے خلاف سب سے پہلا ستی ناولسٹ عبدالحلیم شررؔ المتوفی دسمبر ۱۹۲۶ء نے کرڑہ بزن بیگ لکھنؤ سے یہ وبا پھیلائی اور اس وقت کے شیعہ اہلِ قلم نے ادارۂ اصلاح کھجوہ ضلع سارن سے دندان شکن جوابات دے کر شبہات کو ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا تھا۔ اور شررؔ تاحیات جواب الجواب نہ دے سکے۔ اب مدت مدید کے بعد ان کی روح کو شاد کرنے کے لئے مولوی حافظ علی بہادر خاں بی، ایس، سی علیگ نے اپنی دیرینہ عادت کے موافق پھر اس فتنۂ خوابیدہ کو اٹھایا ہے اور سمندر کے ساحل (بمبئی) سے ملک میں غم و غصہ کی ایک لہر دوڑ گئی ہے۔ باخبر حلقوں میں تو ان کی خامہ فرسائی کی کوئی اہمیت نہ تھی۔ انھوں نے جو کچھ لکھا تھا وہ صرف کتب اہلِ سنت سے جو شیعوں پر حجت نہیں ہو سکتا اور ہم شیعی نظریہ کے ساتھ جو کچھ جواباً لکھیں گے وہ اہلِ سنت ہی کتابوں کا نچوڑ ہوگا۔ شیعیانِ ہند و پاک کی دل آزاری کے لئے حافظ صاحب نے جو کچھ لکھا ہے اس نے دورِ ماضی میں پہلے رسالہ دلگداز کے پیکر میں پھر جریدۂ النجم لکھنؤ کے قالب میں

اور اب اخبار ہلال بمبئی کی صورت میں تیسرا جنم لیا ہے۔ عبدالحلیم شرر ہوں یا بمبئی کا کوئی دشمنِ تہذیب جریدہ اُس نے جو کچھ لکھا ہے وہ سارا اموی خزانہ کا سرمایہ ہے اور ان درہم و دینار کے نقرئی اور طلائی ہر سکّہ پر یزید اور معاویہ کی تصویر ہے۔ قرآن اور اہلِ بیتؑ سے دور کا بھی لگاؤ نہیں ہے۔ حضرت سکینہؑ ایسی بے پدر اور ستم رسیدہ لڑکی کا واقعۂ کربلا کے بعد زندہ رہنا اور رباب کی جگر پاش مصیبتوں کو بھول کر عیش و عشرت کی زندگی بسر کرنا، محفلِ طرب میں شرکت، شعر و سخن کو نوحہ و ماتم کی جگہ دینا، بالوں کے جوڑے میں نئے فیشن کی ایجاد اور ہر مرتبہ بیوہ ہونے کے بعد نیا نکاح دشمنانِ دین کی بیان کردہ داستانیں ہیں جن کو عقلِ سلیم صحیح سمجھنے پر تیار نہیں ہے۔ اس خادمِ دین نے بمبئی کے آرگن ذوالفقار اور رضا کار لاہور اور مدرسۃ الواعظین کے مجلہ علمیہ الواعظ کی کئی اشاعتوں میں جواباً جو مقالات شائع کئے تھے اُن مختصر کر کے اپنے تاثرات کو حدیث اور تاریخ کی روشنی میں خدا کا نام لے کر پیش کرتا ہوں۔ ——————— فقیر بابِ اہلبیت آغا مہدی لکھنوی

پہلی گذارش:۔ آج کمالِ علم کے اطمینان بخش دور میں کچھ لوگ ایسے ہیں جو واقعہ کربلا پر نظر کرنے کے بعد قولِ فیصل تلاش کرتے ہیں اور ہر عنوان کے تحت میں اٹل بات سننا چاہتے ہیں۔ اختلاف سے گھبرا اٹھتے ہیں اُن کو معلوم ہونا چاہیئے کہ تاریخ و حدیث، سیرت نگار تمام سنّی شیعہ اہلِ قلم کا اتفاق ہے کہ شہادتِ حسینؑ اصحابِ کہف کے قصّہ سے قریب تر ہے اور اصحابِ کہف کے حالات میں جزءِ اعظم اختلاف ہے اور قرآنِ حکیم ایسی معجز کتاب حقیقت کو تشنۂ تفصیل چھوڑتی ہے اور لسانِ قدرت سے پردۂ خفا نہیں اُٹھا نہ تو اُن کی تعداد واضح ہوئی نہ مدتِ قیام اختلاف سے بچی نہ رفیقِ سفر پر کوئی آخری رائے کسی مفکر کی دستیاب ہوئی، پوری

کہانی اختلاف کا سرچشمہ اور تا قیامت دعوتِ فکر و نظر ہے تو اب واقعۂ کربلا جو اس سے عجیب تر ہے اس کے جزئیات اختلاف سے کب بچ سکتے ہیں۔

حضرت سکینہؑ کی عظمت

سکینہؑ خاتون واقعۂ کربلا میں جس بلند حیثیت کی مالک ہیں وہ اس کمسنی میں دنیا کی کسی لڑکی کو نصیب نہیں۔ قیصر و کسریٰ کی لڑکیاں، فرعون کی بیٹی تخت و تاج کی وارث سہی مگر صفحۂ تاریخ پر کسی ایک کا بھی نام نظر نہیں آتا۔ دخترِ سلیمانؑ کے جہیز کا کہیں کہیں ذکر ہے مگر نبی زادی کا نام تک پردۂ خفا میں ہے، لیکن سکینہؑ کا نام آسیہؑ اور مریمؑ ایسی عورتوں کے ساتھ زبانوں پر آتا ہے۔ پیغمبرِ اسلامؐ سے پہلے جاہل عربوں نے لڑکی کو جو حیثیت دے رکھی تھی اُس کو دہراتے ہوئے انسانی تہذیب لرزہ براندام ہوتی ہے۔ اور صفحۂ تاریخ سے زمانہ جاہلیت کی یہ بربریت محو نہیں ہو سکتی کہ وہ لڑکی کے پیدا ہوتے ہی سپردِ خاک کر دیتے تھے اور ان کی یہ کوشش تھی کہ صنفِ نازک کا نام دنیا سے محو ہو جائے۔ قرآن حکیم نے بڑے عبرت انگیز لہجہ میں اس قبیح رسم کی بازپرس کا ذکر کیا ہے اور قیامت کے دن ان ظالم ماں باپ سے جو سخت سوال ہوگا اُس کی ابھی سے پیشین گوئی کی ہے۔ واذا الموؤدۃ سئلت بایّ ذنب قتلت۔

مذاقِ قدرت ہمیشہ یہ رہا ہے کہ انبیاء کی بعثت میں اس زمانہ کی سب سے بڑی غلط فہمی کو دور کیا جائے اور توحید کی تبلیغ سے پہلے حضرت موسیٰؑ کو عصا اور یوسفؑ کو حُسن اور داؤدؑ کو خوش الحانی، عیسیٰؑ کو دستِ شفا عطا کر کے بتایا کہ جادو تارِ عنکبوت کی طرح ناپائیدار ہے اور یونانی طب ابنِ مریمؑ کے سامنے نفع بخش نہیں ہو سکتی۔ حکمائے یونان ادویہ سے مریض کا علاج کریں اور حکیمِ مطلق کا بھیجا ہوا رسول صرف ہاتھ پھیر دے اور مرض ہمیشہ کے لئے دور ہو جائے۔ دختر کشی کی قبیح رسم کا واحد علاج یہ تھا کہ آخری مُرسلؐ کی طیب و طاہر نسل کو دختر ہی سے جاری رکھا جائے تو لطف ہے۔ یہی وجہ

ہے کہ جناب محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے فرزند ابراہیم طفولیت میں رحمت الٰہی سے واصل ہوئے۔ اور نسل رسولؐ فاطمہ زہراؑ قرار پائی اور قدرت نے اپنے عمل سے دختر کشی کا جواب لڑکی کے بقاء نسل کی صورت میں دیا۔ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ عرب لڑکی کے دشمن کیوں تھے؟ حقائق کی گہرائی میں بالغ نظروں نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ ان کا یہ قابل نفرت اقدام اس لئے تھا کہ جنگ و جدال میں ان کی عمریں بسر ہوتی تھیں اور حرب وضرب ان کی قدیم عادت تھی۔ دو خاندانوں کا لڑنا اس کا سبب ہوتا تھا کہ جو مغلوب ہوا اس کی عورتیں اسیر کی جائیں یہ وہ ذلت تھی جس کے لئے بہادر عرب تیار نہ تھے اور چاہتے تھے کہ نہ لڑکی رہے گی نہ اسیری کا اندیشہ دلوں میں اضطراب پیدا کرے گا۔ علاوہ اس کے کہ رسولِ عربی کی نسل حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا سے باقی رکھی گئی۔ نبویؐ احادیث اور ائمہ اہلبیتؑ کے اقوال میں بھی لڑکی کو خاص عزت کا مرکز قرار دیا ہے پیغمبر خداؐ کی حدیث ہے کہ کوئی گھر ایسا نہیں جس میں لڑکیاں ہوں مگر اس پر ۱۲ طرح کی آسمان سے رحمت اور برکت نازل ہوتی رہے۔ اور خدا کے فرشتے اس گھر کی زیارت کرتے ہیں اور ماں باپ کے لئے ہر شبانہ روز میں سال بھر کی عبادت کا ثواب نامۂ عمل میں لکھتے ہیں۔

یہ ملحوظ خاطر رہے کہ فرشتگان رحمت کی منزل وہی گھر ہو سکتا ہے جس میں لڑکیوں کو مخرب اخلاق اور پردہ شکنی کی تعلیم نہ دی جا رہی ہو وہ گھر ہرگز نظر رحمت سے مشرف نہ ہوگا جہاں عورت کو آزاد رکھا جائے۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ "لڑکیاں محنت ہیں اور لڑکے نعمت ہیں اور خدائے برتر بہشت محنت کے بعد عطا فرماتا ہے نہ کہ نعمت کے ساتھ"

اسلام نے اگرچہ لڑکی کو میراث میں ½ کا حصہ دار قرار دیا ہے اور بھائی کے مقابلہ میں بہن زیادہ نفع نہیں اٹھا سکتی لیکن لڑکی کے نفقہ کو اس کے شوہر پر عائد

کیا گیا ہے لہٰذا بھائی بہن دونوں کی اقتصادی حالت برقرار رہتی ہے۔ بسا اوقات جن دلوں میں اولاد کی محبت ہوتی ہے وہ لڑکی کی طرف زیادہ جھکتے ہیں۔ فرعون نے خدائی کا دعویٰ کیا۔ مگر اس کی اولوہیت پر اُس کے صاحبِ اولاد ہونے سے جو ضرب لگی وہ واضح ترین امر ہے۔ فرعون اولادِ نرینہ سے محروم تھا۔ مگر ایک لڑکی تھی۔ اور اس لڑکی کا یہ اعزاز تھا کہ روزانہ اس کی تین حاجتیں باپ پورا کرتا تھا۔ (عرائس التیجان) یعنی باپ سے بیٹی جو مانگے وہ ملے۔ اور دختر کا سوال رد نہ ہو۔ یہ لڑکی بھی فرعون کو خدا سمجھتی تھی۔ اور خداوند عالم نے قرآن حکیم میں جو فرمایا ہے اغرقنا آلِ فرعون ہم نے آلِ فرعون کو رود نیل میں ڈبو دیا۔ یہ آیت اُسی مسلمہ حقیقت کی بنا پر ہے کہ آل سے مُراد بیٹی ہوتی ہے۔ دختر کو خدا نے دنیا کی سخت ترین چیزوں میں بھی شمار کیا ہے اور کتاب انوار الہدایہ کا وہ بیان جس میں ہے کہ شدائد دنیا چار ہیں۔ قرض اگرچہ ایک درہم کا بار ہو اور سفر اگرچہ میل بھر کا ہو اور دختر اگرچہ ایک ہو۔ اور سوال اگرچہ والدین سے ہو۔ نتیجہ یہ برآمد ہوتا ہے کہ صاحبِ دختر ہونا جب امتحان گاہ ہے تو جو کئی بیٹیوں کا باپ ہو وہ بڑی سخت منزل پر ہوگا۔

معترض کی تہید ستی

اولاد میں باپ کا اثر آتا ہے۔ امام حسینؑ کی عصمت و طہارت جس پر قرآن گواہ ہے اور حضرت ربابؑ کی وفا اور تاحیات[1] سایہ میں نہ بیٹھنا۔ (جو ایک تاریخی حقیقت ہے) کیا یہ نہیں بتاتا کہ ان ماں باپ کی گود میں تربیت پانے والی لڑکی پناہ بخدا والدین کو اس قدر جلد فراموش کر دے گی؟ علم امامت سے کام لینے والے جنہوں نے بات بات پر مستقبل کی خبریں دیں وہ تو اس بیٹی سے یہ کہہ کر رخصت ہوں کہ سیطول[2] بعدی

---

[1] الحسینؑ از علی جلال حسینی ص۱۲۱ مطبوعہ قاہرہ سنہ ۱۳۴۹ھ و تاریخ الکامل ص۳۶ ج ۴ مصر [2] نور العین فی مشہد الحسینؑ از علامہ ابی اسحاق اسفرائنی ص۵۸ طبع بمبئی۔

یا سکینہ فاعلمی منک اذا الحمام دھانی سکینہ میرے بعد تمھارا گریہ طول کھینچے گا۔ افسوس ہے کہ حسینؑ بن علیؑ کو آئین دہر کے علم سے بے خبر سمجھنے والا گروہ اس کی غمزدہ بیٹی کو فرحت و انبساط میں مشغول بتاتا ہے۔ لہٰذا یہ اطلاعات نصِ امامت کے بالکل خلاف ہیں۔

آج شمر زندہ نہیں ہیں مگر ان کی وکالت کرنے والے موجود ہیں۔ شاید ان کو یہ نہیں معلوم کہ خاندانِ رسالتؐ کے رشتے قرابت کی اُن کڑیوں سے زیادہ مضبوط ہیں جن کو قرآنی آیت اِنَّہ لیس من اھلکؑ کہہ کر توڑ دیتی۔ سکینہ دخترِ حسینؑ ہیں نوحؑ کی اولاد نہیں ہیں۔ سکینہؑ اس خانوادہ کی ایک ستم رسیدہ خاتون ہیں جس کی اولاد کی محبت اجرِ رسالتؐ قرار پاچکی ہے۔ سکینہؑ خدا کے اس خلیلؑ کی نسل طیّب و طاہر سے ہیں جو اسمٰعیلؑ و اسحٰقؑ ایسے فرزندوں کے بعد اپنے خالق سے دختر کا سوال کرتے ہیں۔ اور جب اس التجا کا راز پوچھا جاتا ہے تو فرماتے ہیں کہ بیٹی اس لئے چاہتا ہوں کہ وہ میری صفِ ماتم پر روئے۔[۱] سکینہؑ اس گھرانے کی دختر ہیں جس کے مورثِ اعلیٰ کے مرنے پر اُس کی سواری کا رہوار زندہ رہنا نہیں چاہتا۔ تم نے غور نہیں کیا یعفور[۲] سے بھی کیا سکینہؑ کی کم حیثیت ہے۔ یہ رسولؐ اکرم کی سواری کا جانور تھا۔ جو مالک کے بعد روتے روتے خود مر جاتا ہے اور کسی کو اپنی پشت پر سوار نہیں ہونے دیتا۔ سکینہ میں نبوّی گوشت و پوست و خون موجود ہے۔ سکینہؑ اس باپ کی بیٹی ہیں۔ جس کے وفادار گھوڑے نے اپنی زندگی ختم کر دی۔ ذوالجناح[۳] کو پھر کسی نے نہ دیکھا۔ کیا خاندانِ رسالتؐ آج ایسا تمھاری نظروں میں ذلیل و خوار ہے کہ اس کی وفا جانوروں سے بھی کم ہے جنابؑ

---

[۱] مسکن القلوب عند فقد المحبوب ص۱۳۱ (مخطوبات کتب خانہ ممتاز العلماء لکھنؤ)

[۲] تتمہ معارج النبوۃ ملا معین کاشفی ص۴۲۲ نولکشور ۱۸۹۶ء۔

[۳] مجالس الواعظین ص۱۷۰ و ص۶۲۳ نور العین ابو اسحٰق اسفرائنی۔

سکینہ کی تاریخ وفات پر قول معصوم تو نہیں ہے جو ہم پابند عمل ہوں۔ لہٰذا کیوں نہ اس قول کو اختیار کریں جس میں واقعہ کربلا کی عظمت بھی باقی رہے اور بنی ہاشم کی عزت پر بھی ضرب نہ آئے۔ شررہوں یا ہلال دونوں سے اس بات کا شکوہ ہے کہ جب وفات سکینہ اختلافی مسئلہ ہے تو وہ تصویر کا دوسرا رُخ بھی دیکھتے اور دیانت کا تقاضہ تھا کہ قید خانۂ شام میں وفات کی روایت پر پردہ نہ ڈالتے۔ واقعۂ کا ایک پہلو دیکھنا اور دوسرے سے چشم پوشی کا نام چالاکی اور آل رسولؐ سے دشمنی کا ثبوت ہے ۔

ناسخؔ اٹھیں گے حشر میں وہ لوگ سرخرو
دنیا میں جو محب ہیں پیمبرؐ کی آل کے

مقاتل کے اقتباسات کو نظر انداز کر کے اُس صدا کو سراہنا جس سے امام زادی کی توہین ہوتی ہے آلِ رسولؐ کے خلاف مورچہ بندی ہے جو ایک مسلمان کا ہرگز شیوہ نہ ہونا چاہیئے ۔

جامیؔ ہیچو مسلماں شدم ز اہلبیتؑ
گشتے[۲] روشن چراغ من ز اہلبیتؑ

ہم کو تمھاری عادت دیرینہ کا مکمل حال معلوم ہے۔ تم نے فخرِ کائنات خاتون جن کا اولین و آخرین میں عدیل و نظیر نہ تھا حضرت خدیجہؓ کے دو[۳] دو عقد اور ان کو اپنے ذاتی مقصد کے لئے رانڈ بیوہ ثابت کرنے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا۔ سکینہؑ اسی پاک طینت اور پیغمبرِ اسلامؐ کے عقد میں آنے سے پہلے غیر شادی شدہ معظمہ کی نسل سے ہیں اور زیارت کے اس فقرہ السّلام علیکؑ یا ابن خدیجۃ الکبریٰ سلام ہو آپ پر اے خدیجہ کبریٰ کے وارث ایک خفی اشارہ اس طرف بھی ہے کہ مصائب میں توارث کو بھی ماخلیت ہوتی ہے۔ اور جس طرح حضرت

---

[۱] المتوفی ۱۲۵۴ھ [۲] کلیات جامی ص۴۵ مخطوطات کتب خانہ آصفیہ دکن۔
[۳] طبقاتِ ابن سعد جلد ہشتم ص۸ طبع لیدن ۱۳۲۱ھ

خدیجہ کبریٰ رض کو نام نہاد مسلمانوں نے بیوہ کہا۔ حالانکہ وہ ناکتخدا[۱] تھیں۔ اسی طرح سکینہ کو بھی پناہ بخدا کسی نکاح کرنے کا الزام دیا تاکہ بنی امیہ کے مظالم سبک ہو کر واقعہ کربلا کو بے اثر قرار دیں۔ حقیقت امر کیا ہے، صرف اس لئے قلم کو جنبش دی جاتی ہے۔ امام حسینؑ کی ایک صاحبزادی کا قیدخانۂ شام میں انتقال کرنا اسی طرح مشہور ہے جس طرح تین دن کی پیاس اور بہتر نفوس کی قربانی اہلحرم کی اسیری کوفہ اور دمشق کے قیدخانہ میں ایک مدت تک قید رہنا۔ چنانچہ زندانِ شام کی روایت کے حسب ذیل ناقل ہیں:۔

۱: صاحب کنز العباد
۲: ملا حسین واعظ کاشفی المتوفی ۹۱۰ھ
۳: فخر الدین بن طریح نجفی المتوفی ۱۰۸۵ھ
۴: ابن عصفور علیہ الرحمہ
۵: نظم الاحزان
۶: سید محمد مہدی بن محمد جعفر موسوی
۷: ملا حسین یزدی
۸: ملا محمد تقی برغانی المتوفی ۱۲۶۴ھ
۹: محمد ابراہیم بن محمد اسمٰعیل اصفہانی الذی کان حیا الی سنہ ۱۲۷۰ھ
۱۰: الحاج سید اسمٰعیل حسینی یزدی الذی کان حیا الی سنہ ۱۲۸۲ھ
۱۱: عین البکاء طبع ۱۲۸۴ھ
۱۲: علامہ محمد حسین بن عبداللہ شہرابی ارجستانی
۱۳: جوہری مؤلف طوفان البکاء
۱۴: نور روز علی بن الحاج محمد باقر البسطامی
۱۵: منشی کنور سین مؤلف ریاض الشہداء طبع ۱۲۹۱ھ
۱۶: محمد حسین بن محمد علی بن الحاج محمد بیگ بن آقا علی کماچی
۱۷:۔ علامہ محمد باقر بن عبدالکریم دہشتی اصفہانی نجفی

چونکہ اس روایت میں صاحبزادی کا نام درج نہیں ہے اس لئے احتمالات اور

---

[۱] ابن شہر آشوب نے مناقب میں سید مرتضیٰ علم الہدیٰ علیہ الرحمہ کے قول سے جو استدلال کیا ہے وہ قابل ملاحظہ ہے۔

ذاتی رائے کی گنجائش پیدا ہوئی۔ ایسا کیوں ہوا۔ بنی اُمیہ کا وہ شجرۂ خبیثہ جڑیں پکڑ رہا تھا جس کے سایہ میں معاذ اللہ حضرت سکینہؑ کے دو دو تین تین عقد شہرت دیئے جا رہے تھے۔ اور غیر شیعہ مؤلف ابوالفرج علی بن الحسین بن محمد اصفہانی بغدادی نے جو آخری خلیفہ بنی اُمیہ مروان کا چشم و چراغ تھا حضرت سکینہؑ بنت الحسینؑ کے خلاف ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا۔ اور اس کا دلی مقصد تھا کہ سکینہؑ کی زندگی واقعۂ کربلا کے بعد ثابت کر کے (معاذ اللہ) ان کی طرف خلاف حقیقت اور خلاف شان باتوں کی نسبت دی جائے۔ یہ ملحوظ خاطر رہے کہ اس مؤلف نے ۳۵۶ھ میں انتقال کیا۔ اور اس کو اہل سنت اپنے زمانہ میں اکذب ناس سب سے زیادہ جھوٹا کہتے آئے ہیں اور وہ شرمناک واقعات اس دشمن تہذیب نے اپنی کتاب آغانی میں درج کیے ہیں جو عقل سلیم قبول نہیں کرتی۔ اس کتاب میں عرب کے گویوں (گانے والوں) کا تذکرہ ہے اور میں اس کو معارف النغمات کا پہلا اڈیشن سمجھتا ہوں اس پُرآشوب دور میں اگر کسی سُنی حق نواز یا شیعہ کے قلم سے اس صاحبزادی کے نام کا اظہار ہوتا تو وہ روایت کتابوں میں کب رہ سکتی تھی اور سکینہؑ کی وفات کا اعلان کیونکر باقی رہتا اس لئے مظلوم فرقہ شیعہ نے قلم سے نام ظاہر ہونے نہیں دیا مگر عمل سے جس نے حسینؑ کا غم منایا اس نے سکینہؑ کا تابوت اٹھایا اور ۶۱ھ ہجری سے اس وقت تک ماتم داروں کے آنسو گواہ ہیں کہ سکینہؑ مظلومہ تھیں۔ اصل روایت میں نام نہ ہونے سے کچھ اہل قلم نے تو اسی رویہ پر اکتفا کی جو پہلے راوی نے اختیار کیا تھا۔ اور نام کی تحقیق پر توجہ نہ کی۔ اور جو ذاتی رائے کو قید و بند کی تقلید سے آزاد رکھنا چاہتے تھے۔ انھوں نے اجتہاد شروع کیا اور زینب، رقیہ، زبیدہ، فاطمہ جو جس کی سمجھ میں آیا وہ نام تجویز کیا۔

زینب بنت الحسینؑ کی قبر کا شام میں ہونا عبائر الانوار جلد دوم میں گزرا اور

اس کے رجحانات ہم نے اکابر اہلِ علم کے قلم سے کتاب مذکور میں پیش کئے اولادِ امام حسینؑ میں اس صاحبزادی کا وجود ابنِ شہر آشوب مشہور شیعہ عالم کو تسلیم ہے یہ بزرگ متقدمین کی بلند مرتبہ فرد تھے۔ اور علامہ محمد حسین بن عبداللہ شہر ابی ارجستانی علیہ الرحمہ نے جن کا اعتبار ہم نے عبارۃ الانوار جلد پنجم میں ثابت کیا ہے۔ اس صاحبزادی کا نام زبیدہ قرار دیا ہے ملاحظہ ہو انوار المجالس باب نہم مجلس ہفتم ص۲۶۹ طبع نجف اشرف جزدوم ۱۳۴۷ھ جوہری جو متاخرین کے ایک واقعہ نگار کی حیثیت سے زیادہ نہیں ہے۔ اس نے اپنی کتاب طوفان البکاء میں قید خانہ شام کی روایت میں اسی کی تائید کی تھی۔ میرے نزدیک اس کی تحقیق کچھ اہمیت نہیں رکھتی۔ اولادِ امام حسینؑ کے ذیل میں لفظ زینب کو خطِ شکستہ میں لکھ دینے سے زبیدہ کا شبہہ ہوتا ہے علامہ سید محمد مہدی ابن محمد جعفر موسوی نے اپنے عربی مقتل میں زندانِ شام کی روایت سے فاطمہ بنت الحسینؑ کو مراد لیا ہے۔ ان کی عبارت یہ ہے۔

الروضۃ الرابعۃ والاربعون من ریاض المصائب فی ذکر وفات فاطمۃ بنت الحسین فی الشام (ریاض المصائب عربی ص۴۰۶ طبع ایران) اس کے بعد اصل واقعہ کو تفصیل سے کتاب مذکور میں درج کیا ہے۔ کنز المصائب کے مؤلف نے اپنی کتاب کی بائیسویں مجلس میں اہلِ حرم کے شام میں پہنچنے کے سلسلہ میں اس دختر کو رقیہ خاتون کے نام سے یاد کیا ہے ان کے الفاظ حسب ذیل ہیں:۔

مروایست کہ حضرت سید الشہداء را دخترے بود سہ سالہ کہ او را رقیہ مینامند۔ (کنز المصائب ص۳۵۵ طبع بمبئی) ملا حسین یزدی ایک دوسرے عالم جلیل نے بھی اسی کو کسی قدر ترمیم کے ساتھ تسلیم کیا ہے۔ مردان و زنان شامی ہمہ جمع شدند گریہ و نالہ میکردند و در قبرستان شام دفن نمودند کہ آلان ہم قبر او معلوم و مشہور است (انوار الشہادۃ ص۱۵۳ طبع بمبئی ۱۳۰۰ھ ہجری) محقق خبیر حاج سید اسمٰعیل حسینی کردی

اردو کا نے نے بھی مجالس الواعظین کی مجلس بست و چہارم میں اس صاحبزادی کا نام رقیہ قرار دیا ہے۔ ملاحظہ ہو فہرست و دیباچہ کتاب مذکور ص طبع ایران سنہ ۱۳۲۰ھ فاضل بسطامی نے بھی زندان شام میں دختر امامؑ کے انتقال کو رقیہ کے نام سے یاد کیا ہے ہفتم از غش کنندگان طفل صغیرہ آں سرور بود در شام کہ رقیہ نام داشت و پدر را در خواب دید بعد ازاں ازیں شدت غم و الم فوت شد۔ (وسیلۃ النجاۃ باب ثمانیہ) رقیہ وہ صاحبزادی ہیں جن پر رخصت آخر کے وقت امامؑ کا خصوصی سلام وارد ہے اور پھر دربار یزید میں شمر نے اشارہ کر کے بتایا ہے اور نوحہ جناب زینب میں ہے اختی بنتک الاخری رقیۃ ضمّها۔ (عبائر الانوار جلد دوم ص۲۹ مطبع صادق پریس لکھنؤ) علماء اور مقاتل کے اس اختلاف کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اصل روایت تو اپنی جگہ باقی ہے جس میں محقق کی نظر میں بمقام زندان شام جس دختر کے انتقال کے قرائن پائے گئے اس نے اپنی رائے کے موافق اُس کو اختیار کیا۔

زندان شام میں وفات سکینہ کے کون لوگ قائل ہیں

مقاتل کے مرقومہ بالا اختلاف کو سامنے رکھ کر کچھ ایسے افراد بھی نظر آئے جنہوں نے ان میں کسی قول کو ترجیح نہ دی اور وہ حضرت سکینہؑ کی وفات کے قائل ہو گئے اس سلسلہ میں مجھ کو جو نام علی بالنقل دریافت ہوئے ہیں ان میں (۱) مقتل ابن عصفور علیہ الرحمہ (۲) زاد العاقبت (۳) نظم الاحزان، یہ کتابیں اس مقصد کے اظہار کے لئے بہت نمایاں ہیں۔ اور زاد العاقبت غالباً سید علی اظہر کربلائی کی بہت ہی قدیم کتاب ہے جو خلاصۃ المصائب کا ماخذ اور مصدر ہے اور ابن عصفور کی مدح میں جوان سے بھی مقدم تھے۔ رجال میں اچھی لفظیں پائی جاتی ہیں ان ہر سہ کتب کے علاوہ جو کتابیں میرے کتب خانے میں موجود ہیں ان میں (۴) عین البکاء فارسی طبع بمبئی ص۹۰ میں حضرت سکینہؑ

گشتند و او مرثیہ کہ در احوال زاری اہلبیت و خواری شہدائے گفتہ بود میخوانند و خاتون عرب از دیدہ می باریدو از غم اہل بیت می زاریدو یک بیت از قصیدۂ اُمّ کلثوم اینست
ماتت رجالی وافنی للموت سادانی حسرۃ من بعد فوناتی (روضۃ الشہداء چھاپہ نولکشور ص ۳۶۷)

دوسرا واقعہ نگار شیخ فخرالدین طریح نجفی علیہ الرحمہ ہیں۔ موصوف کے الفاظ یہ ہیں کانت لمولانا الحسین علیہ السلام بنت عمرھا ثلث سنین فعظم ذلک واستوحشت لابیھا۔ (المنتخب فی المراثی والخطب از شیخ فخرالدین بن محمد بن علی بن احمد بن طریح مجلس (۷) حصہ اول طبع بمبئی شیخ علی محلاتی ۱۳۰۸ ہجری) ہمارے مولا امام حسینؑ کے ایک صاحبزادی تھی جن کی عمر تین برس کی تھی ان پر مصیبت زندان بہت ہی سخت ثابت ہوئی۔ اور وہ باپ کو یاد کر کے گھبراتی تھی۔"

پہلی عبارت اس مؤلف کی ہے جس کو عام طور پر حضرات اہلسنت اپنے فرقہ کی ایک جلیل فرد سمجھتے ہیں اور کاشفی کا انتقال ۹۱۰ ہجری میں ہوا اور دوسری عبارت ایک شیعہ مجتہد کی ہے جس کی وفات ۱۰۸۵ھ میں ہوئی عصر حاضر میں جو مقتل باقی ہیں ان میں زیادہ سے زیادہ قدیم حوالہ انھیں دو کتابوں کا دستیاب ہوسکتا ہے اور ان دو کتابوں کے مصادر آج سے پانچ سو برس پہلے کا لٹریچر ہے اور کچھ نہیں کہا جاسکتا ہے کہ کنز العباد جس سے روایت وفات سکینہ ماخوذ ہے کاشفی سے قریب العہد تھا یا اس کو زیادہ زمانہ گزر رہا تھا۔ لیکن سنی شیعہ ہر دو مصنفین کا اس صاحبزادی کے نام کو ظاہر نہ کرنا بتاتا ہے کہ راوی ترجمانی میں آزاد نہ تھا۔ اس خیال میں قوت اس وقت پیدا ہوتی ہے جب ہم حالات سکینہؑ کے پہلے ناقل ابوالفرج اصفہانی کی وفات ۳۵۶ ہجری میں پاتے ہیں۔ اس کا زمانہ کاشفی اور طریحی سے بہت پہلے تھا۔ لہٰذا جو فضا ابوالفرج

کا زندان شام میں انتقال موجود ہے اور یہ مقتل اخبار ضعیفہ سے خالی ہے۔ (۵) محمد حسین بن محمد علی بن الحاج محمد بیگ ابن آقا علی نقی کہماچی نے اپنی کتاب اخبار ماتم کی مجلس ۳۴ ص ۱۰۱ طبع رامپور میں بھی زندان شام کی روایت کو ذمہ دارانہ الفاظ میں نقل کیا ہے (۶) منشی کنور سین ہندو مؤلف نے اپنے مقتل میں روایت حضرت سکینہؑ اس عنوان سے درج کی ہے "اطلاع پانا یزید کا دیکھنے خواب و بے قراری بی بی سکینہؑ سے اور روانہ کرنا سر حضرت سید الشہداؑ کا آگے اس کے اور رجال بحق تسلیم کرنا سکینہؑ کا سر کو دیکھ کر" (ریاض الشہدا ص ۳۸ طبع ۱۲۹۱ھ مطبع ثمر ہند)

زندانِ شام خبرِ انتقال کا ماخذ

جن اہلِ قلم نے قید خانہ شام میں ایک دختر کی رحلت تسلیم کی ہے۔ ان میں پہلا ترجمان ملا حسین بن علی الکاشفی المعروف بالواعظ البیہقی السبزواری ہیں وہ رقمطراز ہیں:۔

"در کنز العباد آوردہ کہ یزید اہلبیتؑ را در درون کوشک خود جائے مقرر ساختہ بود امام حسینؑ دخترے داشت چہار سالہ و بسیار او را دوست داشتہ و آں نیز پدر را بغایت دوست می داشت تا پدرش شہید شدہ بود دائم می پرسید کہ ایں ابی"

اس سرنامہ سخن کے بعد دختر کا خواب اور اہلِ حرم سے شور گریہ بلند ہونا اور زندان میں سر مبارک کا آنا اور اس تعمیر کی وفات لکھ کر تحریر فرماتے ہیں۔ یزید چوں ازیں حال خبر یافت ایشیا نرا تعزیت رسانید و ام کلثومؑ اجازت طلبید کہ در خارج کوشک بمنزلے رود و تعزیت بدارد و اجازت یافتہ منزلے کہ جہت ماتم مقرر کردہ بودند تشریف می فرمود زنان اکابر بتعزیت وے حاضر

نے مکدر کر دی تھی اس میں کسی راوی کا یہ اعلان کہ سکینہؑ نے قید خانۂ شام میں انتقال کیا ناممکن تھا۔ اور اس اکثریت میں کون اس آواز کو سنتا اور زندانِ شام کی روایت صفحۂ قرطاس پر کہاں رہنے دی جاتی۔ جب آج ابوالفرج کی موت کو ایک ہزار برس گزر چکے اور اس کی وکالت کرنے والے برابر پیدا ہو رہے ہیں جو صاحبِ اغانی سے قریب العہد تھے ان کے سامنے اور زیادہ یہ ماحول تھا۔ اس لئے واقعۂ کربلا بیان کرنے والوں کے لئے بجز اس کے کوئی چارہ نہ تھا کہ بغیر نام ظاہر کئے ہوئے مصیبت کو محفوظ کر دیں اور تعیّن کا بار مستقبل کی نسلوں پر چھوڑ دیں۔ چنانچہ علامہ محمد باقر بن عبدالکریم دہدشتی بہبہانی نجفی نے بغیر نام کے زندانِ شام کی روایت کو ص ۳۸۴ میں پیش کیا ہے۔ اور شہید ثالث رحمولانا محمد تقی برغانی نے بھی نام کی صراحت نہیں فرمائی۔ مجالسِ علویہ زبان اردو کا ایک باوقار مقتل بھی اسی راہ کا سالک ہے۔

واقعاتِ کربلا میں جنابِ سکینہؑ کے خدمات

سکینہؑ کی یاد مقاتل میں سب سے پہلے اُس وقت تازہ ہوئی ہے جب فرزندِ رسولؐ کو ولید حاکم مدینہ نے بیعت کے لئے طلب کیا ہے اور آپؑ اس کے گھر گئے۔ بیعت کا نام سُن کر امامؑ کو غصہ آیا۔ اور جوانانِ بنی ہاشم جو ساتھ گئے تھے وہ خانۂ دشمن میں در آئے اور امامؑ عزیزوں کے جھرمٹ میں واپس ہوئے۔ تو سکینہؑ اور حضرت زینبؑ عقب در انتظار میں تھیں ان کے دل کو خبر تھی کہ داستانِ غم کا یہی پہلا باب ہے۔ اس کے بعد حُرؑ کی ملاقات کے وقت ان کا ایک تفصیلی بیان ہے جس میں زمانہ کی ناسازگاری کی تصویر کشی ہے اور سکینہؑ کے جذبات کا پتہ چلتا ہے مورخ سپہر کاشانی لکھتے ہیں۔ ''وہ سکینہؑ گوید سوگند با خدائے چوں پدرم سخن بدینجا آورد مرد م دہ، دہ، بست، بست،

---

[1] خلاصۃ المصائب مؤلفہ مرزا محمد ہادی صاحب مرحوم

پراگندہ کنند جز ہفتاد و چند کس بجائے نماندند"[1]

کربلا میں پہنچنا دوسری محرّم سے گیارہ محرّم تک اس مقدس سرزمین پر کم و بیش نو روز باپ چچا کے سائے میں اور دو روز یتیم ہونے کے بعد اس مختصر بود و باش میں ساتویں محرّم سے پانی بند ہونے کی خبر اور مجیر العقول تکلیف نویں محرّم کو جستجوئے آب میں ایک کوشش اور سکینہ کی قیادت میں ۲۰ لڑکے اور لڑکیوں کا پانی ڈھونڈھنا اور علی اصغرؑ کے ماہئ بے آب کی طرح تڑپنے کی حکایت سکینہ کے وہ کارنامۂ حیات ہیں جو فراموش نہیں کیے جا سکتے اور معلوم ہوتا ہے کہ تعلیماتِ پدری میں سکینہؑ درجۂ کمال کو پہنچ چکی تھیں۔

عاشور کی قیامت زا صبح اور قدم قدم پر تلاطم، روح فرسا حوادث، موسم کی صعوبت، جنگی باجے، تیروں کی بوچھار، خندق کی آگ، لوں، دھوپ، دوپہر میں بھرے گھر کا خاتمہ، علی اکبرؑ کی نعش پر خصوصی ہیں۔ عباسؑ کے وقت رخصت پانی لانے کی آرزو، چچا کی شہادت اور مشک و علم کا شکستہ حال واپس ہونا۔ شہادت علی اصغرؑ[2] کے وقت خیمہ سے نکلنا وہ حیرت ناک مصائب تھے جس نے مظلوم کربلاؑ کو آمادہ کیا کہ وہ سکینہ کو کمسن ہونے کے باوجود بوڑھے اور جوانوں کے دوش بدوش جگہ دیں اسی لئے رخصت آخر کے وقت سکینہؑ[3] پر سلام کیا، اطفال پر سلام نبویؐ تعلیم تھی اور اتنے امتحانات کے بعد اب امامؑ سکینہؑ کو کامل عقل و فہم کا مالک سمجھتے تھے سکینہؑ کا معروضہ کہ ہم کو مدینہ پہنچا دیجئے ایسا نہیں ہے کہ سکینہؑ مصائب کے ہجوم کو برداشت نہ کر سکتی تھیں۔ اس لئے وقت رخصت اس خواہش میں بظاہر یہ راز مضمر تھا کہ مدینہ کا نام لے کر اہل مدینہ کو یاد دلائیں اور وہ سلام جو اہل حرم کو مشرف کر چکا ہے اس سے دوستدار بھی معزز و محترم ہوں اور مفاد ملی حاصل ہو۔ اور نیز مظلوم کربلا کے مشکلات صفحہ

---

[1] ناسخ التواریخ جلد ۶ صفحہ ۲۲۱ طبع بمبئی [2] نہضۃ الحسین چاپ بغداد ۱۳۴۵ھ [3] مقتل ابی مخنف وغیرہ

تاریخ میں محفوظ ہوجائیں۔ امام حسینؑ کے اطمینان قلب کی یہ حالت تھی کہ نثر میں جواب نہیں دیا۔ بیٹی سے نظم میں گفتگو کی اور طول حزن کی پیشین گوئی کی :-

سیطول بعدی یا سکینۃ النع اس گفتگو میں امام حسینؑ ایسے صادق نے سکینہؑ کو خیر النساء بہترین زنان عالم کا خطاب دیا ہے۔ اب کس کی طاقت ہے جو سکینہ کے دامن عصمت پر داغ پہنچائے۔ اس گفتگو کے بعد دوسری بات چیت اُس وقت ہوئی جب سر و گردن میں جدائی ہو چکی۔ اور گلوئے بریدہ سے سکینہ نے آواز سُنی۔ شیعتی ما ان شربتم ماء عذب[1] فاذکرونی۔

باپ اور بیٹی میں یہ آخری کلام تھا جو امامت کا معجزہ اور سکینہؑ کے قرب کی کی دلیل ہے اس کے بعد راہ کوفہ وسکینہؑ، منزل حمص اور سکینہؑ، دربار یزید اور سکینہ وہ عنوانات ہیں جن سے جناب سکینہ کی حسینی مقصد میں شرکت اور امام سے محبت محیر العقول صبر و شکیب قوانین اسلام کی پابندی کے قدم قدم پر ثبوت ملتے ہیں۔ اور قید خانہ کی غم آفریں منزل پر پہنچ کر خود سکینہؑ کی زبان سے زندان میں نماز شب پڑھنا۔ اور[2] یزید سے خواب بیان کرنا تمام مقاتل میں موجود ہے اس مقام پر پہنچ کر باب مصیبت ختم ہوجاتا ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ مصائب و آلام کا ایک ترجمان تھا جو دفعتہً خاموش ہوگیا۔ اور یزیدی مظالم کے دُہرانے میں ایک قلم تھا جو یکایک رُک گیا۔ ایک مسلسل گفتگو تھی جو قطع ہو کر خاموشی سے بدل گئی۔ اس کی وجہ یہی معلوم ہوتی ہے کہ بظاہر سکینہ زندان شام کو اپنی ابدی خواب گاہ بنا چکی تھیں اس لئے پھر اُن کے واقعات کا فقدان ہے اور کسی ذمہ دار قلم سے نہ رہائی کے وقت ان کا کوئی ذکر ہے نہ مدینہ پہنچنے میں کوئی تذکرہ ہے نہ سوگواری کا کچھ پتہ ہے یہ خاموشی خالی از علت

---

[1] مجالس المتقین ص۲۴۹ و کنز المصائب ص۱۳ فارسی وسعادات ناصریہ طبع ایران ص۱۳۱

[2] مقتل ابو اسحاق اسفرائنی۔

نہیں ہے۔

وفاتِ سکینہ پر دلیلِ عقلی

وہ تمام اشعار جو ابوالفرج اصفہانی نے اغانی میں حضرت سکینہ کی طرف منسوب کئے ہیں اگر واقعی اُن کے نتائج افکار ہیں تو کیا معنے ہیں کہ نظم میں تو اُن کا دماغ اس قدر حاضر تھا کہ برجستہ شعر موزوں کرتی تھیں اور نثر میں ان کے خاندانی علوم کی نشر و اشاعت میں بجز حدیث غدیر[ع] کے کوئی دوسری روایت بھی ان سے وارد نہیں ہوئی۔ ناظرین کو یہ سُن کر حیرت ہوگی کہ اس دشمن آل رسولؐ طبقہ نے جناب سکینہؑ اور فاطمہؑ ان کی بڑی بہن دونوں کا سال وفات ایک قرار دیا ہے اور اُن کے نزدیک دونوں بہنوں نے ۱۱۷ ہجری میں انتقال کیا ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ فاطمہؑ بنت الحسینؑ سے تو فریقین کے راویوں نے اس قدر کثرت سے علوم اہل بیت کو نقل کیا ہے اور اس قدر روایات موجود ہیں کہ علماءؒ نے پورا مسند تیار کر لیا ہے شیعہ کتب حدیث کا حوالہ دے کر میں طول کلام سے بچنا چاہتا ہوں۔ کتب اہل سنّت کو دیکھتا ہوں تو ابو جریر طبری[ع] سُنّی مورخ نے فاطمہؑ بنتِ الحسینؑ سے اپنے استاد سے ام المومنین حضرت خدیجہ کبریٰ علیہا السلام سے بھی روایت کی ہے۔ فرقہ امامیہ اثنا عشریہ کی علم حدیث میں چاروں کتابیں کافی، استبصار، من لایحضر، تہذیب الاحکام وغیرہ میں کوئی ایک روایت بھی سکینہؑ سے نہیں ہے اور روایت نہ ہونا ظاہر کرتا ہے کہ قید خانہ شام میں ان کا انتقال ہو چکا تھا۔

بیوگی کے بعد نکاح کا جائزہ

جب قید خانہ شام میں انتقال کو قوت پہنچتی ہے تو اب یہ سوال باقی نہیں رہتا کہ

ع ارجح المطالب عبید اللہ امرتسری صـ۶۵۳ طبع قدیم لاہور۔ ۱ مدینۃ المعاجز صـ۲۹ طبع طہران
ع تاریخ الامم والملوک مولفہ ابو جریر طبری جلد دوم صـ۲ طبع مصر۔

سکینہؑ کسے کے عقد ہوتے اس مقام پر پہلی نص امامت تو وہ مشہور مصرعہ ہے جس میں امام مظلومؑ نے طول حزن کی خبر دی ہے نہ طول سرور۔ دوسرے علاّمہ شیخ محمد بن علی الصبان المصری جو ۱۱۸۵ھ تک زندہ تھے۔ اولاد حضرت امام حسینؑ کے حال میں رقمطراز ہیں ان الحسن بن الحسن بن علی بن ابی طالب خطب من عمہ الحسینؑ احدی ابنتیہ فاطمہ او سکینہ و قال اختر احدھما فقال الحسینؑ اخترت لک ابنتی فاطمہؑ فھی اکثرھما شبھاً باُمی فاطمہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اما فی الدین فتقوم اللیل کلہ و تصوم النھار واما فی الجمال فتشبہ الحور العین واما سکینہ فغالبؑ علیہ لاستغراق مع اللہ تعالیٰ۔

(حاصل مضمون) امام حسنؑ کے بیٹے حسن مثنیٰ نے جب اپنے چچا امام حسینؑ سے دامادی میں قبول کرنے کی استدعا کی ان کی دو صاحبزادیوں فاطمہؑ یا سکینہؑ میں سے کسی ایک کے ساتھ۔ اور عرض کیا کہ میرے لئے ان دو دختروں میں سے جس کو چاہیں اختیار فرمائیں تو امام حسینؑ نے جواب دیا کہ میں تمھارے لئے اپنی بیٹی فاطمہؑ کو قرار دیتا ہوں وہ میری ماں فاطمہؑ دختر رسول خداؐ سے بہت زیادہ مشابہ ہے۔ اس کی دینداری کا یہ حال ہے کہ راتوں کو عبادت میں کھڑی رہتی ہے اور دن کو روزہ رکھتی ہے۔ اب رہی سکینہؑ اس پر یاد خدا اس حد تک غالب ہے کہ وہ تاہلی زندگی بسر نہیں کر سکتی۔

حضرت سکینہؑ کے عبادت خدا میں عمر بسر کرنے کی یہ دوسری نص ہے جس کو

لے اسعاف الراغبین فی سیرۃ المصطفےٰ و فضائل اہلبیتؑ لطاہرین طبع مصر باہتمام مصطفےٰ بابی حلبی ص۲۷۴ برحاشیہ مشارق انوار طبع مصر ۲لے امام مظلومؑ کی کے صاحبزادیاں تھیں اس کو مؤلف نے اپنی کتاب عباتر الانوار جلد ۲ مطبوعہ صادق پریس لکھنؤ میں تفصیل سے بیان کیا ہے۔

دشمن آنکھیں کھول کر دیکھے گریہ اشرف عبادات ہے، امام حسینؑ نے اپنے دور رس اقوال میں سکینہؑ کے طول حزن کی خبر دے کر ان تمام روایات کی قطع و برید کر دی جو سکینہ کو محفل طرب میں مشغول ظاہر کریں۔ اور اس قول امامؑ نے ان کے تعدد نکاح کے خلاف ایک سد کھینچ دی ہے۔ ابن صبان مصری اہلسنّت کا بہت ہی جلیل القدر عالم ہے اس کی رائے سیرت سکینہؑ میں آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہے چونکہ اصل عبارت میں استغراق کی لفظ ہے اس لئے لغت میں اس کے معنی ملاحظہ ہوں۔ الاستغراق بالراء هو عند الصوفیه ان لایلتفت قلب الذاکر الذکر فی اثناء الذکر ولا الی القلب ویعبر العارفون عن هذا الحالة عن الغناء[1] استغراق صوفیوں کے نزدیک اس حالت کو کہتے ہیں کہ ذکر الٰہی میں مشغول انسان اثناء ذکر میں پھر کسی دوسرے ذکر کی طرف دل کی عنان نہ موڑے اور نہ کسی اور قلب کی طرف میلان پیدا ہو۔ عارفین اس حالت کو استغنا سے یاد کرتے ہیں۔ اسی یاد الٰہی کا وہ ایک نمونہ تھا کہ سکینہ قید شام میں نماز شب پڑھتی تھیں۔

حضرت سکینہ کی طرف مصعب کا غلط انتساب

قید خانۂ شام میں انتقال کے روایات اور پھر طفولیت میں عبادت کا ذوق واضح کر چکا کہ سکینہ تاہلی زندگی کے لائق نہ تھیں، واقعات پر خبر رکھنے والا انسان فیصلہ کر سکتا ہے کہ سکینہؑ کی وہ مصیبت زار زندگی جو آنسو بہانے میں گزری اور باپ کی وہ یاد جس نے ان کا کام تمام کر دیا۔ اگر ان کو بفرض محال زندہ رکھتے تو بھی پناہ بخدا وہ اس شخص کی زوجہ ہونے پر تیار نہ تھیں جو ان کے خاندان کے خون کا انتقام لینے والے مختارؒ کا قاتل تھا اور جس کے دل میں ان کے قتل کی قرارداد تھی۔ اس کا بھی ایک تاریخی

---

[1] کشاف اصطلاحات فنون صفحہ ۱۰۹۷ سطر ۳۵ / ۲-۱

ثبوت ملاحظہ ہو۔ عزالدین علامہ ابوالحسن علی بن ابی الکرم محمد بن محمد بن عبدالکریم بن عبدالواحد شیبانی معروف با بن اثیر جذری مصعب بن زبیر کے آخری حال میں لکھتے ہیں:۔ ثم التفت فرای عروہ بن المغیرہ بن شعبہ فاستدناہ فقال لہ اخبرنی عن الحسین بن علیؑ کیف صنع یا متناعہ عن النزول علی حکم ابن زیاد وعزمہ علی الحرب فاخبرہ فقال ؎ الا ان لی بالطف من ال ھاشم تاسوافسنوا الکرام التاسیا۔ اگر معاذ اللہ سکینہؑ بنت الحسینؑ مصعب کے عقد میں ہوتیں تو مصعب واقعہ کربلا کو ان سے پوچھتا یا عروہ بن مغیرہ سے اس سے بہتر دلیل عقلی ابطال عقد پر اور کیا ہوسکتی ہے۔ اس تاریخی فیصلہ کے بعد یہ بات بھی قابل غور ہے کہ دنیائے اسلام میں سکینہ نامی عورتیں کثرت سے تھیں دختر امامؑ سے پہلے اور بعد کتنی عورتیں سکینہ نام کی گزری ہیں، دختر امام مظلومؑ سے پہلے سکینہ بنتِ ابی وقاصؓ اور سکینہ کنیز امام زین العابدینؑ اور سکینہ بنت خالد بن مصعب وغیرہ تھیں۔ اگر مصعب بن زبیر کے عقد میں کوئی عورت سکینہ نامی ہو تو کیا ضرور ہے کہ وہ دختر امامؑ ہی ہو۔ یہ افترا پردازی ویسی ہی ہے جیسے خلیفہ دوم حضرت عمر کا فضل و شرف بڑھانے کے لئے دشمنان اہلبیتؑ ان کو ام کلثوم بنتِ فاطمہؑ کا شوہر کہتے ہیں حالانکہ خلافت مآب کی بی بی امِ کلثوم بنت جرول ایک دوسری عورت تھی۔[۱]

ابوالفرج اصفہانی سے چند سوال

مؤلف آغانی وفات حضرت سکینہؑ کے سلسلہ میں یہ بھی لکھتا ہے کہ بنی ہاشم نے ان کی نعش جس جگہ نماز پڑھتی تھیں رکھ دی اور صبح سویرے سے نصف شب تک

---

[۱] اصابہ فی فضائل الصحابہ صفحہ ۲۷۶ طبع مصر و اسد الغابہ صفحہ ۲۵ الفاروق شبلی نعمانی صفحہ ۳۴

جوق جوق لوگ نماز جنازہ پڑھتے رہے۔ تاریخ داں طبقہ کو حضرت فاطمہ زہراؑ کے جنازہ میں شرکت کرنے کے والے معدودے چند لوگوں کے نام ابھی فراموش نہیں ہوئے ہیں، دختر رسولؐ کا جنازہ تو اس اقلیت کے ساتھ اٹھا اور حضرت زینبؑ خواہر امامؑ کا انتقال اور جنازہ میں مشایعت کرنے والوں کا ہجوم کسی کو یاد نہ رہا۔ ام کلثوم کے جنازہ کا بھی کسی جگہ پتہ نہیں ہے یہ جنازے حضرت رسولؐ اور فاطمہؑ زہرا سلام اللہ علیہا سے قریب العہد ہونے کے باوجود مسلمانوں کے جمود اور غفلت میں اٹھے اور سکینہؑ کے جنازہ میں مجمع عام تھا آخر اس کا کیا راز ہے۔ جنازہ کی رونق بتاتی ہے کہ یہ خاندانِ رسالتؐ کی کوئی فرد نہ تھی۔ بلکہ مصعب کی بی بی جو حاکم کی زوجہ تھی اس کے اعزاز میں مجمع تھا۔ ملوکانہ ساز و سامان کبھی اولاد رسولؐ کے جنازوں میں نہیں ہوا ہے اظہار افسوس میں عقیدت مند اُن کے شبیہہ تابوت اٹھاتے ہیں۔ (۲) سکینہؑ کے جنازہ پر ۴۰۰ سو اشرفیوں کا اگر اور خوشبو سلگائی گئی۔ اچھا یہ بتاؤ کہ خاتون جنان حضرت فاطمہؑ کے جنازہ کے ساتھ اس رقم کی دوگنی اشرفیوں کا عود و عنبر سلگا تھا؟ تزک و احتشام کی ممانعت ہے۔ احادیث شیعہ دیکھو: علی بن ابراھیم عن ابیہ عن النوفلی عن السکونی عن ابی عبداللہ علیہ السلام ان النبی صلّی اللہ علیہ وآلہ نھٰی عن تتبع الجنازۃ بالمجمر[1] (ترجمہ) پیغمبر خداؐ نے جنازوں کے ساتھ انگیٹھی کی ممانعت کی ہے۔ تو اب فیصلہ کرنا آسان ہے، جس جنازہ کے ساتھ اس قدر بیش قیمت خوشبو صرف کی جائے وہ کسی شیعہ عورت کا جنازہ نہیں ہے۔ (۳) اس سلسلہ میں آغانی کی آخری غلط بیانی یہ ہے کہ خالد بن عبداللہ بن حارث بن حکم والی مدینہ نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی۔ وفات حضرت سکینہؑ جب تم نے ۱۱۷ھ قرار دی ہے تو یہ زمانہ امام جعفر صادقؑ کا تھا۔ اگر سکینہ

---

[1] فروع کافی ص۷۰ طبع نولکشور پریس لکھنؤ کاغذ جناتی تقطیع ۲۲+۲۹

اولادِ رسولؐ میں تھیں تو صادقِؑ آلِ محمدؐ نے ان کی نماز جنازہ کیوں نہ پڑھی۔ کیا حضرت علی کے سامنے جناب معصومہ کے جنازہ کی نماز خلیفہ وقت نے پڑھی تھی۔ خاندانِ رسالتؐ کا اپنے اموات کے ساتھ نماز پڑھنے میں یہ عمل کہ اگر امام حسن عسکریؑ کے جنازہ کی نماز میں جعفر تواب نے سبقت کی تھی تو امام زمان حضرت حجت نے ان کو ہاتھ پکڑ کر ہٹا دیا اور خود نماز پڑھائی یہ مقامات رواداری کے نہیں ہیں۔ اگر تم کسی تاریخ معتبر کا حوالہ نہیں دے سکتے تو تسلیم کرنا پڑے گا کہ امام جعفر صادقؑ کی حیات اور مدینہ کے قیام میں جس سکینہ نے رحلت کی اس کو اولاد رسولؐ سے کوئی تعلق نہ تھا۔

روضۂ سکینہؑ در شام محنت انجام

میرے گزشتہ سطور روایت زندانِ شام میں وفات کے رجحان پر پڑھنے کے بعد اربابِ انصاف ملا حسن یزدی علیہ الرحمہ صاحب انوار شہادت کے ان الفاظ کو بھی یاد کریں جن میں فاضل مؤلف نے فرمایا ہے کہ سکینہؑ کی قبر اب تک شام میں موجود ہے۔ دوسرے اہل قلم نے اس قبر کا پتہ بھی دیا ہے چنانچہ تاریخ[1] دمشق میں اس قبر کا ذکر ہے اور مزار منور پر گنبد بھی بنا ہوا ہے۔ یہ حوالہ بھی جواب شرر[2] میں موجود ہے۔ فوٹو مرقدِ سکینہ کا اخبارات میں شائع ہو چکا ہے۔

اس کے علاوہ محمد بن احمد بن جبیر بن سعید بن جبیر بن سعید جبیر بن محمد بن عبدالسلام ابن جبیر الکنانی جس کی ولادت ۵۴۰ھ میں ہوئی ہے اپنے سفر نامہ میں مزار حضرت سکینہؑ کا ذکر کرتے ہیں۔ اس سفر نامہ کا ایک صحیح ترین نسخہ ۱۸۵۲ء میں انگلستان کے مشہور عالم ولیم رائٹ نے دیکھا اور لندن میں چھپوایا

---

[1] روضۃ الغنا طبع بیروت ۱۸۷۹ء ۲ صفحہ ۲۳۶ طبع ۱۳۱۹ھ

اور اصل کتاب کے بارے میں اپنی رائے تحریر کی ہے۔ سفر نامہ کی اندرونی حالت بتا رہی ہے کہ یہ نسخہ خاص ابن جبیر کا مسودہ ہے اور کسی دوسرے شخص کا مرتب کیا ہوا نہیں ہے۔ اس سفر نامہ کا اُردو ترجمہ حافظ احمد علی خاں شوق نے کیا ہے اس میں بھی مزار سکینہ بنت الحسینؑ[1] کا ذکر ہے۔ یوروپین مورخ جو سفر نامہ ابن جبیر اندلسی سے مدد لیتے ہیں اس میں مسٹر امری (AMARI) اور پروفیسر DOZY محتاج تعارف نہیں ہیں لہٰذا سکینہ بنت الحسین کے موضوع پر سب سے قدیم حوالہ ہے جو جواباً اس وقت تک پیش نہیں کیا گیا۔

(۴) منشی محبوب عالم ایڈیٹر پیسہ اخبار لاہور نے بھی ۱۹۰۰ء میں اس روضہ کی زیارت کی ہے اور اپنے سفر نامہ میں اس کو نظر انداز نہیں کیا ہے۔

(۵) رپورٹ حج کمیٹی بمبئی مطبوعہ ۱۹۵۳ء صـ ۶۵ میں زیارت دمشق کے سلسلہ میں بھی روضہ سکینہ کا ذکر ہے۔

حاصلِ کلام

حضرت یوسف قید ہوئے مگر جس قید خانہ کا سامنا سکینہؑ کو ہوا اُس کی مثال نہیں ملتی وہ قید خانہ ہی میں باپ کو روتے روتے جاں بحق تسلیم ہوئیں۔ اور جس طرح حضرت عباسؑ کی نعش فرات کے کنارے دفن ہو کر ان کی سقائی کی یادگار ہے اور عون بن علیؑ کا کئی میل دور روضہ ان کے حدودِ جنگ کی نشانی ہے۔ اسی طرح شام میں سکینہ کی قبر اسیری کی یادگار ہے۔ ابوالفرج اصفہانی نے شہزادی کی مدینہ میں دفن کی خبر اور مصنوعی روایتیں پیش کر کے ان کی حیات کے تہذیب سوز مناظر پیش کئے ہیں اور حسینیت کو متزلزل کر دیا۔ حالانکہ اس کے

---

[1] صـ ۲۶۱ مطبع احمدی ریاست رامپور

بیانات کی خبر سے زیادہ حیثیت نہیں ہے جس میں صدق و کذب دونوں پہلو ہوتے ہیں اور شام میں روضہ ہونا درایت ہے نہ روایت۔

عصر حاضر میں جو زائرین شام جاتے ہیں وہ بڑی آسانی سے اس مزار تک پہنچ جاتے ہیں اور ڈھونڈھنے کی نوبت نہیں آتی۔ قبر سکینہ پر جو صندوق چوبی ہے وہ اس قدر بیش قیمت ہے کہ نظیر نہیں رکھتا اور جو ضریح نصب ہے وہ بھی بیش بہا ہے۔

وفاتِ سکینہؑ پر حضرت اُمِّ کلثوم کا جگر خراش بیان

خانوادۂ نبوت و رسالت کے دشمن جو سکینہؑ کی طول حیات کے قائل ہیں۔ اور غلط طور پر بتاتے ہیں کہ سکینہؑ عمر بھر عیش و عشرت میں رہیں اس تہمت اور افترا پردازی کا مظلوم کربلا کے حساس دماغ کو بھی خیال تھا اور وقت رخصت طول حزن کی خبر دے کر دشمن کی زبان بند کر دی۔ اسی طرح جناب اُمِ کلثوم بھی حسینیتؑ کی تبلیغ اور مقصد شہادت سے غافل نہیں رہیں۔ واقعۂ کربلا کے بعد جب آپ قید سے چھوٹ کر واپس ہوئیں اور مدینہ کی دیواریں نظر آئیں تو یہ شعر پڑھا جو میری سرمایۂ تحقیق کا آخری مؤید ہے۔ خرجنا منکِ بالاھلین جمعنا رجعنا لا رجال و لا بنین جب ہم یہاں سے نکلے تھے تو بچوں سے گودیاں بھری تھیں اور اب یوں پلٹ رہے ہیں کہ نہ مرد باقی ہیں نہ بچّے۔

اطفال میں سکینہ بھی شامل ہیں اور حضرت اُم کلثوم کا مرثیہ صرف جذبۂ غمگساری کو ظاہر نہیں کرتا بلکہ واقعہ کربلا کی تاریخ میں اضافہ ہے سکینہؑ کا قید خانہ میں انتقال ان کی عصمت اور اُن کے خدمات اور مقصد حسینیؑ کے تحفظ کا سبب ہے۔

زیارتوں میں جس جس نبی کا ذکر ہے اُس کی زندگی کے خصوصیات میں کسی روشن پہلو کو نمایاں کر کے سلام کیا گیا ہے۔ مثلاً حضرت آدمؑ پر سلام کرنے میں ان کا برگزیدہ ہونا۔ اسمٰعیلؑ پر سلام میں اُن کا ذبح ہونا اسی طرح زیارت میں جہاں سکینہؑ پر سلام ہے یہ الفاظ ہیں۔ اَلسَّلام علیک وعلیٰ زینب التقیۃ و کلثوم المرضیۃ وعلی سکینۃ المسبّیۃ (زیارت مفجعہ) زینبؑ تقیہ و ام کلثومؑ مرضیہ اور اسیر و مقید سکینہ پر سلام ہو۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ سیرت سکینہؑ میں اسیری نمایاں پہلو ہے۔

صاحب قاموس سے دو دو باتیں

ابوالفرج اصفہانی نے جس داستان کی بنیاد قائم کی تھی اس کو ان کے ہمنوا سُنّی عالم ہر زمانہ میں سراہتے رہے اور یہ زبردست کوشش بنی اُمیّہ کی بعض ناواقف شیعہ اہل قلم کے لئے بھی مغالطہ ثابت ہوئی۔ اور یہ افسانے ناسخ التواریخ کے صفحات میں بھی پہنچے سپہر کاشانی کی کوئی بلند حیثیت نہیں ہے جو وہ فرقہ شیعہ پر حجت ہو نہ وہ متقدین میں ہیں۔ ان کی غفلت کے تاریخ مذکور میں اور کتنے نمونے ہیں جو صاحبان بصیرت پر مخفی نہیں ہیں چنانچہ یہ غفلت تو ہماری ہے اور دشمن کی ہوشیاری کا یہ نمونہ ہے کہ قاموس لغت کی کتاب ہے اس کو مذہبی چھیڑ چھاڑ سے تعلق نہیں ہے مگر خاندانِ رسالت کی تحقیر میں وہ اس قدر آمادہ اور تیار ہے کہ لغت میں بھی اپنے جذبہ کو نہیں چھوڑتا۔ اور جو خصوصیات عام خواتین عرب کے تھے اُن کو حضرت سکینہؑ کا تسلیم کرتا ہے۔ سکینۃؑ بنت الحسینؑ بن علیؑ والطرّۃ السکینۃ منسوبۃ الیھا (حضرت) سکینہؑ حسینؑ فرزند علیؑ کی دختر ہیں۔ اور "بالوں کا جوڑا" جو

مشہور ہے وہ انھیں کا ہے۔

اس بے ادبی کا جائزہ یوں بھی لیا جا سکتا ہے کہ جس لڑکی نے کمسنی میں اسیر ہو کر انتقال کیا ہو اس کو اس کا کہاں موقع مل سکتا ہے کہ وہ کسی فیشن کی موجد ہو اور عام عورتیں اس کے ایسے بال بنانے لگی ہوں۔ بڑے افسوس کی بات ہے کہ آلِ محمدؐ کی تذلیل میں جو قلم اٹھتا ہے وہ ایک نیا شاخسانہ مسلمانوں کے سامنے لاتا ہے۔ مگر یاد رہے سچے واقعات شہادت میں ہر فتنہ کی رو موجو ہے سید نعمت اللہ جزائری علیہ الرحمہ دربار یزید کے حالات میں لکھتے ہیں۔

ان یزید لعن اللہ اقبل علی الصبیۃ التی تستر وجھھا بزندھا وقال من ھذہ الجاریۃ قالوا ھذہ سکینہ بنت الحسینؑ یزید ایک لڑکی کی طرف متوجہ ہوا جو اپنے ہاتھوں سے منہ چھپائے تھی اور پوچھا کہ یہ کون لڑکی ہے۔ کہا یہ سکینہؑ ہے حسینؑ کی بیٹی۔ بند دست کو عربی میں زند کہتے ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سکینہؑ اتنی کمسن تھیں کہ ان کے چہرہ کے چھپانے میں دونوں ہاتھ اور کلائیوں کا حصہ مل کر کافی ہوا۔ اگر سکینہؑ کے بال چہرہ چھپانے کے لائق ہوتے جیسا کہ تمام بیبیاں بالوں سے منہ چھپانے تھیں تو وہ کبھی ہاتھوں سے منہ نہ چھپاتیں معلوم ہوا کہ بال اتنے بڑے نہ تھے اور جب بال بڑے نہ تھے تو چوٹی اور جوڑہ کا کوئی تذکرہ باقی نہیں رہتا، سکینہؑ نے اس سے پہلے انتقال کیا جو بال بڑھنے کی عمر تھی۔

واقعہ کربلا میں سکینہؑ اور دیگر بچوں کو ساتھ رکھنے کا راز

امام کونینؑ نے جس وقت سے مدینہ چھوڑا ان سے ہمدردی رکھنے والا ہر انسان اس فعل کو تعجب کی نگاہ سے دیکھتا تھا کہ وہ عورتوں اور بچوں کو کیوں لئے

---

[1] انوار نعمانیہ عربی چھاپہ

جاتے ہیں۔ خطرہ کے محل پر انسان کو اپنی جان بچانا دشوار ہوتی ہے۔ چہ جائیکہ صنف نازک کو ساتھ رکھنا لیکن ایک نام نہاد مسلم حکومت سے تصادم کے وقت اہلِ حرم کا ساتھ ہونا اس قدر ضروری تھا کہ بغیر عیال و اطفال کو ساتھ لئے یزیدیت کا جائزہ لینا دشوار تھا۔ اسلام نے عورت کا خصوصیت کے ساتھ میدان جنگ میں احترام کیا ہے اور ذریت رسولؐ کے اعزاز و اکرام میں خود پیغمبرؐ کا عمل کافی تھا اور اصولاً یزید کو یہ چاہیئے تھا کہ وہ مظلومِ کربلا کو شہید کرنے کے بعد اہلِ حرم کو حفاظت و احترام کے ساتھ مدینہ بھیجدیتا عورتوں کو ساتھ رکھنے کا یہ نتیجہ تھا کہ سارے عالم نے دیکھ لیا کہ یزید کی طرف سے پسماندگان کے لئے بھی ذرّہ برابر رحم دل میں نہیں ہے اور اس کی فوج کسی کو ہمدردی کا مستحق نہیں سمجھتی۔

وہ لوگ جو اپنی جگہ سمجھتے ہیں کہ اطفال خورد سال کا ساتھ رکھنا اصولِ جنگ کے خلاف تھا۔ انھوں نے کبھی اس پر بھی غور کیا ہے کہ خود اپنے مقاصد کی نشر و اشاعت میں لڑکوں کو آگے بڑھاتے ہیں۔ کیا الیکشن میں لڑکوں کے غول "ووٹ کس کو دوگے" کہتے ہوئے نہیں نکلتے۔ یوم تعلیم میں لاتعداد لڑکے سڑکوں پر نہیں لائے جاتے واقعہ کربلا میں اطفال کے ساتھ رکھنے کا راز یہ تھا کہ اگر انصار پیاس کا شکوہ کرتے تو وفا پر ضرب پڑتی۔ بنی ہاشم پانی طلب کرتے تو منافی صبر تھا لہٰذا سب سے بڑی مصیبت تشنگی عام نظروں میں مخفی رہ جاتی، بچے غیر مکلف ہیں۔ وہ درِ خیمہ پر جب خالی کوزے لے کر العطش کا شور کرتے تھے تو کوئی فرد واحد ایسا نہ تھا جس کو معلوم نہ ہو گیا ہو کہ خیمہ میں پانی نہیں ہے۔

اختتامی تاثرات

ابھی تک تو عبدالحلیم شررؔ اور حافظ علی بہادر خاں سے گفتگو تھی شرر تنقیدحیات

نہیں ہیں حافظ صاحب کو جب دندان شکن جواب ملا تو ایسے گھبرائے کہ مؤلف کو بُرا بھلا کہنا شروع کر دیا اور قوم کو یہ رائے دی کہ "شیعوں میں مجتہدوں نے نہایت پوچ دلائل پھیلاتے ہیں جن کو صرف جُبہ و دستار سے قبول کرانا چاہتے ہیں تمام فرقہ وارانہ عقائد کو قرآن کی بھٹی میں ڈال دو اور اُن فرقہ پرست مجتہدوں کو مزدوری پر لگاؤ" (ہلال ۲ اکتوبر ۱۹۵۳ء صہ ۲ سطر ۲۶) ہاں خوب یاد آیا اس اشاعت میں مجھ کو کوڑ مغز بھی کہا گیا اور یہ الزام دیا کہ میں نے شیعوں کی کتابوں سے اپنے مضامین مرتب کئے ہیں یہ ان کی بے خبری کا ایک ثبوت ہے اُن کو معلوم ہونا چاہیئے کہ مزدوری میرا آبائی شیوہ ہے اور ملوکیت بنی اُمیہ کا طرۂ امتیاز ہے جو ہمارے غیر کو مبارک رہے خدمت دین کی منزل پر اگر وہ غصہ اور سب وشتم سے کام لیں گے تو مجھے ذرا بھی افسوس نہ ہوگا۔ لیکن اس کا سخت صدمہ ہے کہ قرآن کو بھٹی (آتش کدہ) کہا رسولؐ نے قرآن کو گراں بہا شئے کہا ہے آپ کے اس اقدام سے احراق قرآن کا صدمہ تازہ ہو جاتا ہے اور قرآن کو نذر آتش کرنے والوں کے نام یاد آجاتے ہیں اس شکوہ کے بعد میں حافظ صاحب سے پوچھنے پر مجبور ہوا کہ جن اسلامی کتابوں کو آپ شیعوں کی کتاب سمجھتے ہیں اور اپنی گرتی ہوئی دیوار کو سنبھالتے ہیں وہ ہرگز شیعوں کی نہیں ہیں۔ کشاف اصطلاحات فنون اسعاف الراغبین کو شیعہ ثابت کر دو تو جانیں۔ چنانچہ آج تک کسی نے فاضل تھانوی اور صبان مصری کو شیعہ ثابت نہیں کیا اب دنیا فیصلہ کرے کہ کون کوڑ مغز ہے؟

کتاب کا حجم بڑھ جانے کے ڈر میں ہم نے ان مقالات کو ناظرین کے سامنے پیش نہیں کیا اور دو قدح الواعظ[1] ہی کے کالموں میں رہنے دیا۔ اس کتاب کے مطالعہ کرنے والے مؤلف کی مجبوریوں کو محسوس کریں گے۔ سیرت حضرت سکینہؑ کے

---

[1] ملاحظہ ہو الواعظ بابت ماہ فروری لغایت اپریل ۱۹۵۴ء بیہم ۳ نمبر

تمام اہم ابواب کو صرف حوالہ دے کر چھوڑ دیا ہے۔ اگر یہ اشارات تفصیل کی حد میں پہنچائے جائیں تو ضخیم کتاب تیار ہو جائے۔

(۲) زوائد کو حذف کرنے کے بعد جب کتاب چھپ کر تیار ہوئی اور لوح کا طبع ہونا باقی تھا کہ نگار لکھنؤ کا سالنامہ ۱۹۵۵ء یعنی علوم اسلامی اور علماء اسلام نمبر دیکھا اور صفحات ۱۴۳ و ۱۴۴ پر سکینہ بنت الحسینؑ کا انہیں خصوصیات کے ساتھ ذکر پایا جس کی ابوالفرج اصفہانی نے داغ بیل ڈالی تھی آغانی کی علمی دنیا میں کوئی قدر و قیمت نہ تھی اس لئے کہ وہ تدوین رقص و سرور کے وکالت میں ہوئی عبدالحلیم شرر نے رسالہ دلگداز میں اس داستان کے علمی ہونے کا دعویٰ کیا اور مدیر ہلال نے جواب شرر کے بعد پھر اس کو دوبارہ ۱۹۵۳ء میں زندہ کیا جس کا یہ جواب تھا جو قوم کے سامنے ہے۔ معزز ہمعصر نیاز صاحب کی اس جرأت کے بعد کہ وہ علوم اسلامی میں گانے بجانے کو شمار کر رہے ہیں۔ میرے لئے اشد ضروری تھا کہ اس اتحاد ثلاثہ پر قلم اٹھاؤں اگرچہ اس موضوع پر گزشتہ صفحات میں جو کچھ لکھا جا چکا وہ ہر سہ معترضین کے انتباہ میں کافی ہے لیکن نیاز فتحپوری سے یہ شکایات ہے کہ حضرت سکینہؑ پیروانِ آلِ محمدؐ کے جس طبقہ میں نظر احترام سے دیکھی جاتی ہیں اُس کے اقوال کو بھی سامنے رکھا ہوتا اور اگر تصویر کا ایک ہی رُخ دیکھنا تھا تو ساری دنیا کے اہلسنّت و جماعت نے جن کتابوں کو مستند سمجھا ہے صرف اُن کو ماخذ قرار دیتے مشکوک بیانات دروغ گو مؤلفین کی رائیں کیوں درج کیں۔

ابوالفرج اصفہانی بہت زیادہ دروغ گو تھا

مؤلف آغانی کو جھوٹا قرار دینے میں صاحبان تحقیق کو اتفاق ہے جس کو ماہرین رجال انوکھی چیزوں کا مجموعہ نوادر کا مخزن، غلط واقعات کا ذخیرہ سمجھتے ہیں چنانچہ

قاضی شہاب الدین ابوالفضل احمد بن علی بن حجر عسقلانی المتوفی ۸۵۲ھ اپنے رجال کبیر میں لکھتے ہیں:۔

قال الخطیب حدثنی ابو عبداللہ الحسین بن محمد بن طبا طبا العلوی سمعت ابا محمد الحسن بن الحسین النوبختی یقول کان ابو الفرج الاصفہانی اکذب الناس کان یشتری شیئاً کثیراً من الصحف ثم یکون روایتہ کلھا منھا۔ (لسان المیزان جلد چہارم ص۲۲۲ طبع دائرہ معارف نظامیہ حیدرآباد ۱۳۳۰ھ) خطیب کہتا ہے کہ مجھ سے ابو عبداللہ حسین بن محمد بن طبا طبا علوی نے بیان کیا ہے کہ میں نے ابو محمد حسن بن حسین نوبختی کو کہتے ہوئے سُنا ہے کہ ابوالفرج اصفہانی کاذب ترین مردم تھا۔

نیاز صاحب ایسے متتبع کے علم میں یہ کتاب بھی ہے اور "اکذب ناس" لوگوں میں سب سے زیادہ جھوٹ بولنے والا اعلان بھی ہے لہٰذا اس کے باوجود امام زادی کے تذکرہ میں حق اور انصاف کے خلاف صدا بلند کرنا مستحسن نہیں ہے۔

اگر نیاز نے سکینہؑ کو سُنّی نژاد خاتون سمجھ کر قلم اُٹھایا اور صرف کتب اہلِ سنّت کی روشنی میں حالات دیکھے تو کچھ گلہ نہ تھا جبکہ سکینہؑ دختر امام اور واقعہ کربلا کی ایک رکن ہیں تو جس فرقہ نے واقعہ کربلا کی افادیت پر تیرہ سو برس سے دفتر سیاہ کر دئے ہیں اس کی آواز بھی سنتے کیا وہ "جواب شرر" پر ملتفت نہیں ہیں پھر کیوں یک طرفہ فیصلہ کیا اور لاتعداد پیروان محمد و آلِ محمدؐ کے دلوں کو ٹھیس لگائی۔

اگر آلِ رسول کی عزت کرنا اُن کے نزدیک قدامت پرستی اور مولویوں کا' ڈھکوسلا ہے اور یہی اسلوب تحریر درست ہے کہ کتب مقاتل کو چھوڑ کر دختر امام کا حال آغانی میں تلاش کیا جائے تو براہ کرم وہ ہم کو بھی اجازت دیں گے کہ ہم حضرت عمر اور محترمہ بی بی عائشہ اُم المومنین کے واقعات زندگی انساب النواصب مؤلفہ داؤد

استرآبادی اور مجالس المومنین اور کنٹاپ[1] کو ماخذ قرار دے کر لکھیں۔

نیاز فتحپوری سے اس سالنامہ کے محدود صفحات میں جابجا جو فروگذاشت ہوئی ہے اس کو ہمارا پیش کرنا موضوع بحث نہیں ہے مگر اس نمبر پہ سرسری نظر سے فیصلہ ہوتا ہے کہ جب وہ متاخرین کے حالات میں اصابت رائے سے دور رہیں۔ تو قرن اولیٰ میں ان کی رائے کی کیا حیثیت ہوگی اس کے علاوہ میدان تالیف و تصنیف وہ پرخار وادی ہے کہ جب نیاز صاحب نے ۳۶۹ صفحہ ۱۵ میں جناب سید دلدار علی صاحب مجتہد[2] کی ولدیت غلط لکھ دی تو کیا امید کی جائے کہ ابوالفرج نے غلطی نہ کی ہو اور یہ افسانہ سکینہؑ بنت الحسینؑ ہی کا ہو، ممکن ہے کہ کوئی دوسرا نام ہو یا عرب میں حصین نام بھی ہوتے ہیں رسم الخط کی غلطی ہو اور حرف ص حرف س سے بدل گیا ہو تیرہ سو برس کے بعد آپ کو کیا حق ہے کہ ایک دروغ گو کے بیان کو بلا اختلاف اپنے ذمہ دار قلم سے درج کردیں! اس اختتامی تبصرہ سے پہلے ہم کہہ چکے ہیں کہ سکینہ نامی عورتیں ایک عہد میں کثرت سے تھیں لہٰذا وہ سکینہ جس نے کئی عقد کئے اور جو مصعب کے عقد میں تھی دختر امام حسینؑ نہ تھی کمسنی میں مرجانے والی لڑکی کے لامعلوم شوہروں کے نام ویسی ہی تحقیق ہے جیسا کہ نیاز صاحب حق الیقین کی ایک جلد کو متعدد جلدوں میں بتاتے ہیں کیا جس کتاب کی ایک جلد ہو اس کو ۱۴ جلدیں قرار دینا تنہا پسندی نہیں ہے اور کیا نیاز صاحب جس شہر لکھنؤ میں فی الحال مقیم ہیں وہاں کے مطبوعات کا اُن کو علم نہیں[3] تو سرزمین عرب

---

[1] میاں بشیر لکھنوی مشہور ادیب کی تحقیقی نظم اور محشن کتاب مؤلف کے ادبی خدمات کا ثمرہ ہے گزشتہ لکھنؤ ترجمان عالم، طبع لاہور میں اعتراف کیا ہے یہ آفتاب ادب مٹیا برج میں غروب ہوا اور کلکتہ میں محوخواب ہے۔ [2] والد کا نام محمد معین تھا و معین الدین لغزش قلم ہے۔ [3] حق الیقین بزبان فارسی سنہ ۱۳۰ھ میں بمقام محلہ نخاس مطبع جعفری میں طبع ہوئی جو ہر شیعہ لائبریری میں موجود ہے اس کی چودہ جلدیں قرار دینا غلطی ہے۔

کے واقعات میں ان کی عصمت قلم کا کیا ثبوت ہے۔ حضرت غفرانمآب طاب ثراہ[1] کا سنہ وفات بھی صحیح نہیں ہے لہٰذا افراد قوم کو اس محل پر محترم مدیر نگار کا نام مرعوب نہیں کر سکتا اور حقیقت کی تابندگی اپنی جگہ باقی رہتی ہے۔ (۳) گزشتہ صفحات کے نتائج اپنی جگہ صحیح ہیں اور مخالف آواز میں حقیقت کو زیر نقاب نہیں لا سکتا۔ ابوالفرج اصفہانی دشمن آلِ رسولؐ تھا، اس کے بیانات کو سواد اعظم نے دروغ کہا ہے۔ قید خانہ شام میں وفات کے رجحانات زیادہ سے زیادہ موجود ہیں۔ مزار سکینہؑ کا فوٹو متعدد مرتبہ شائع ہو چکا ہے اس زیارت گاہ کا حج کمیٹی کو پتہ دینے میں عذر نہیں ہے۔ اگر سکینہؑ بعد واقعہ کربلا زندہ رہ جاتیں تو ان سے کتب اخبار میں ضرور روایات وارد ہوتے، صرف حدیث غدیر کی اُن سے روایت[2] ہے اور بس، مصعب کے ساتھ ان کا عقد اُسی طرح افسانہ تھا جس طرح حضرت اُم کلثوم دختر فاطمہ صلوٰۃ اللہ وسلامہ علیہا کا نکاح بلا تشبیہہ حضرت عمر خلیفہ وقت کے ساتھ بتایا جاتا ہے وہ اُم کلثوم[3] بنت جرول تھی یہ تتمہ بیان بھی میری تاثرات کی مکمل تصویر نہیں ہے اگر دیگر مشاغل علمیہ نے وقت دیا تو ریاض القدس، ریاض الاحزان اور ایک انگریزی کتاب (NOBLE PATH) کے اقتباسات بھی پیش کروں گا، انشاء العزیز مقطع سخن میں یہ بھی ملاحظہ ہو کہ حضرت سکینہ کا کوئی کفو ہو سکتا تھا تو عبداللہ بن حسن یا اولاد امام حسنؑ کا کوئی اور نونہال وہ اپنے مصیبت آگیں مکالمات میں خود اس کی رد کر چکی ہیں کہ اولاد انبیاءؑ گروہ اشقیاء کی خدمت نہیں کر سکتی۔ چنانچہ شامی نے جس وقت ان کو دربار یزید میں اپنی کنیزی کے لئے طلب کیا ہے اور گستاخانہ الفاظ میں کہا ہے، ھب لی ھٰذہ الجاریہ من الغنیمۃ تکون خادمۃ عندی (یزید! اس دختر کو مجھے دے میں مال غنیمت میں سے

---

[1] ۱۹ رجب سنہ ۱۲۳۵ھ غفرانمآب کا انتقال ہوا اور ان کی رحلت کو ۱۶۵ سال ہوتے۔ [2] مناقب المرتضیٰ سن مواہب المصطفےٰ وحافظ شاہ علی حیدر قلندر [3] تفسیر بحر محیط جلد ۸ ص ۲۵۷ طبع مصر

اسے اپنی لونڈی بنانے کے لئے پسند کرتا ہوں فقالت یا عتاہ اتریف نسل رسول اللہ یکون ممالیک للادعیا (مجالس المتقین ص۲۳) حضرت ام کلثوم سے رُخ کر کے کہا کہ اے پھوپھی آپ دیکھتی ہیں کہ کہیں نسل پیغمبر زنا زادوں کی خدمت گزار بھی ہو سکتی ہے"

اس سوالیہ لب و لہجہ نے کردار کی تصویر کھینچ دی اور بتا دیا کہ اولاد علیؑ جب کنیز نہیں بنائی جا سکتی تو کوئی دشمن اہلبیتؑ اس کو رفیقۂ حیات بھی نہیں بنا سکتا۔ ابطال عقد میں کسی دلیل و برہان کی ضرورت نہیں ہے خود شاہزادی کا فیصلہ کافی ہے والسلام علی من اتبع الہدیٰ (مؤلف) ۲۰ ج ا ۱۳۸۱ھ

کمسنی کے ثبوت میں ایک ادبی اشارہ

شاعر ترجمان فطرت سمجھا جاتا ہے اور عصر حاضر کی تہذیب قدیم شعراء کے کلام سے پرانی تاریخ اور مٹتی ہوئی آثار قدیمہ کو زندہ کرتی ہے اور ہمارا جس طبقہ سے تخاطب ہے وہ الشعراء تلامیذ الرحمٰن[1] کا قائل ہے لہٰذا کوئی وجہ نہیں ہے کہ سکینہؑ کی کمسنی کے ثبوت میں شعراء نے نادان سکینہؑ، بالی سکینہ جو لفظیں استعمال کی ہیں وہ دعویٰ کی تائید نہ کریں

بابُ المراثی

دلگیر

دیا سجادؑ نے چادر کا سکینہؑ کو کفن
گو کہ حاکم نے بھی سب دفن کا سامان بھیجا

ضمیر

شبیرؑ سے کیا جلد ملی جا کے سکینہؑ
کم عمر کو یاں تاب جدائی نہیں ہوتی

انیس

زنداں کے بچے وہ ظلم کہ عاجز بھی جان سے
افسوس چل بسی مری پیاری جہان سے

---

[1] شمع انجمن مؤلفہ نواب صدیق حسن خان مطبوعہ مطبع شاہجہانی ص۱۰ طبع ۱۲۹۳ھ

مونسؔ

بابا بغیر بالی سکینہؑ نہ سوتی تھی   منہ اپنا ڈھانپ ڈھانپ کے کرتے سے روتی تھی

میر عشقؔ المتوفی سنہ ۱۳۰۳ھ

وہ کمسنی وہ سکینہؑ کا قید میں مرنا   سعید باغ جہاں میں قلیل رہتے ہیں

میر وحیدؔ المتوفی سنہ ۱۳۰۶ھ

عالم رویا میں دیکھے گی سکینہؑ باپ کو   جاگنے پر بخت ہیں، زنداں میں خواب آنکھ کو ہے

تعشقؔ المتوفی سنہ ۱۳۰۹ھ

قید خانہ میں ہوئی دفن سکینہؑ مر کر   تھی عجب شرم کہ لاشہ بھی نہ باہر نکلا

اُنسؔ المتوفی سنہ ۱۳۱۰ھ

مر گئی قید میں گھٹ گھٹ کے سکینہؑ نادان   ننھی سی عمر میں یہ صدمۂ زنداں دیکھا

جاویدؔ المتوفی سنہ ۱۳۴۰ھ

بانو کہتی تھی سکینہؑ کو رہائی نہ ملی!   قید خانہ سے چھٹی قبر کا زنداں دیکھا

فصاحتؔ سنہ ۱۳۴۸ھ

سکینہؑ باپ کی فرقت میں زینب سے یہ کہتی تھی   پھوپی اماں نہ جیتے جی تو میں نکلوں گی زنداں سے

ذاخرؔ المتوفی سنہ ۱۳۵۲ھ

سکینہؑ شب کو اُمید رہائی میں جو سوتی تھی   نگاہیں پہلے اٹھ کر دیکھتی تھیں قفل زنداں کو

شفیقؔ المتوفی سنہ ۱۳۵۶ھ

قید خانہ میں نہ اس طرح سکینہؑ روتیں   ظلم سہنے کی ہمیشہ سے جو عادت ہوتی

تمناؔ سنہ ۱۳۵۹ھ

یوں سکینہؑ مضطرب تھیں گھر میں جانے کیلئے   جیسے طائر کوئی تڑپے آشیانہ کے لئے

خاورؔ نوری حیدر آبادی

سکینہؑ کی لحد ہے اک اندھیرے قید خانہ میں   جہاں سے روشنی پڑتی ہے کچھ تاریخ زنداں پر

رزم۔ ردولوی

بے گور و کفن باپ تھا بے پردہ تھی بیٹی   دادی کی طرح باپ کے ماتم میں قضا کی

مولوی سید ظفر حسین عرف وزن صاحب نبیرہ مفتی صاحب قبلہ طاب ثراہ

اک عطش سے دوسری سوز غم شبیرؑ سے   یوں جلا قلب سکینہؑ قید میں موت آ گئی

قرار۔ لکھنوی

بنت شہ مانگتی تھی شمر سے رو کر پانی   سامنے اس کے بہاتا تھا ستمگر پانی

مرغوب نقوی مؤلف مثنوی اصحاب کہف و جہاد مختار وغیرہ

سر دیکھتے ہی باپ کا زنداں میں مر گئی   بچی یہ تھی جو شاق جدائی حسینؑ کی

عابدؑ کو صدمہ علی اصغرؑ سے کم نہ تھا   ولہ   زنداں میں غم ہوا جو بہن کی وفات سے

ثابت لکھنوی

ماں رو رہی ہے قبر سکینہ پہ وقت شام   کہتی ہے بی بی ہو گئیں تنہا روانہ کیا

دبیر المتوفی ۱۲۹۲ھ

جب گل ہوا چراغ حرم قید شام میں   یعنی سکینہؑ مر گئی یاد امام میں

اوج المتوفی ۱۳۳۶ھ

کفن پھٹا ہوا کرتہ دیا سکینہ کو   مقام سرد میں مدفون کیا سکینہؑ کو

خبیر لکھنوی

جو دل سے پیاری تھی بچی گزر گئی بھیا   سکینہؑ قید مصیبت میں مر گئی بھیا

اس رسالہ کی تحریر میں جن کتب اہل سنت سے استفادہ کیا گیا ہے وہ یہ ہیں :۔

(۱) انسان العیون فی سیرت الامین المامون (۲) اسعاف الراغبین ابن صبان مصری
(۳) اصابہ فی فضائل الصحابہ (۴) اسد الغابہ فی فضائل الصحابہ (۵) ارجح المطالب فی عد مناقب

اسد اللہ الغالب از عبید اللہ امرتسری (٦) البحر المحیط ج (٧) تاریخ الکامل ابن اثیر (٨) ترجمہ مدارج النبوۃ مولوی عبد المجید (٩) تاریخ الامم والملوک (ابو جریر طبری) (١٠) جانِ عالم از عبد الحلیم شرر (١١) الحسینؑ (علی جلال حسینی) (١٢) روضۃ الشہداء (کاشفی) (١٣) رحلۃ ابن جبیر (محمد بن احمد بن جبیر) (١٤) طبقات ابن سعد (١٥) عرائس (ثعلبی) (١٦) الفاروق (شبلی نعمانی) (١٧) کشاف اصطلاحات فنون (١٨) معارج النبوت (ملا معین) (١٩) شمع انجمن (صدیق حسن خاں) (٢٠) مناقب المرتضیٰ از شاہ علی حیدر (٢١) نور العین از ابو اسحٰق اسفرائنی (٢٢) نگار لکھنو

تیسرے ایڈیشن پر مصنف کا اضافہ

گزشتہ صفحات میں آپ نے جو کچھ پڑھا وہ الواعظ مدرسۃ الواعظین کے درج شدہ جوابات کا خلاصہ تھا۔ مظلوم صاحبزادی کی سیرت پر جو پہلا تصور ہوتا ہے وہ یہ ہے

نامِ قرآنی اور عام فہم ہے۔ خاندانِ رسالتؐ میں بچے کا نام رکھنے پر قرآن مجید سے نام نکالنے کا رواج تھا اور دختر امام کی پیدائش کے وقت اگر حضرت امام حسینؑ نے کتابِ خدا کھول کر وہ آیت پائی جس میں اہلِ ایمان کے دلوں پر "سکینہ" نازل ہونے کا ذکر اور قوتِ ایمانی کی روز افزوں فراوانی کی خبر تھی تو "سکینہؑ" نام رکھنے میں فرحت و سرور ہر پہلو امید افزا تھا۔ اور اگر تابوتِ سکینہ والی آیتیں نظر آئی ہوں تو چاہنے والے ماں باپ کا دل دھڑک سکتا ہے اور بنی اسرائیل کی تاریخ کا یہ سبق آموز باب سامنے آ کر موت اور جنگ کا تصور یقینی ہے وہ شعائر اللہ اور قابلِ تعظیم یادگار تھی جس کو قرآنِ حکیم کے ماننے والے عزت کی نظر سے دیکھنے پر مجبور ہیں۔ زندانِ شام میں یتیمۂ امام کا تابوت جس طرح اٹھا اُس کی شبیہہ آج ہر عزاخانے میں اٹھتی ہے اور جہاں امامِ مظلوم کا ماتم کدہ ہو وہاں ان کی بیٹی کی یاد بھی تازہ ہے۔ اور روزِ قیامت تک یہ نخم باقی رہے گا۔

مظلومیت کی یہ سب سے بڑی حد ہے کہ رونا جو مطابقِ فطرت ہے وہ تم پر کیوں بار ہے؟ اور اس کے بند کرنے میں گزشتہ ظالموں کے کردار پر پردہ نہیں پڑ سکتا۔ یاد رہے جب تک مظالم کو چھپانے والے مصروفِ کار رہیں گے اُن کی ذہنیت کا جائزہ لینے والے اور مظلومہ سے ہمدردی رکھنے والے فنا نہیں ہو سکتے۔

پچھلی نصف صدی سے شاہزادی کی سیرت پر یہ بہتان بار بار اخبار کے کالموں میں لایا گیا۔ اور دھاندلی میں جوابُ الجواب کی کسی نے جرآت نہ کی۔ پہلے ناولسٹ کی خامہ فرسائی کے بعد "ہلالِ بمبئی" اور پھر "نگارِ لکھنؤ" سب کے جوابات دیئے گئے اور دشمن کی چالاکی سے توقع ہے کہ مسلمانوں سے اختلافِ باہمی پھیلانے کا سلسلہ جاری رہے گا۔ حقیقت کے دیکھنے والے ہمیشہ کم ہوتے ہیں۔ اِس علم دشمن دَور میں تعجب ہے کہ ایک شیعہ اہلِ قلم نے بھی اُس مسلک کے خلاف قلم اٹھایا جو محققِ بہار مولانا حکیم علی اظہر صاحب مرحوم کے زمانے سے تمام علمائے شیعہ سے اتفاق کرتے ہوئے اختیار کیا تھا۔ باطل کے اس معاون پر حیرت نہیں ہے یا تو وہ ناتجربہ کار پہلے پہل اپنے بزرگوں کے رویّے سے اختلاف کر کے صاحبِ رائے ہونا چاہتے ہیں یا ان کا یہ اقدام مخالف کی تنخواہ پر ہے۔ اس کا جواب بھی ناچیز مصنف نے آج سے بہت سال پہلے دیا تھا جو دور اندیش مدیر "اسد لاہور" نے ٹھیک موقع پر اس سال کے مجاہدِ اعظم نمبر میں شائع کیا اور لاہور کی ڈاک پہلی محرّم کو کراچی میں تقسیم ہوگئی۔ یہ خدا کی ایک غیبی مدد تھی جس کو من وعن آپ ملاحظہ کریں۔ اور دیکھیں کہ سکینہ بنتُ الحسینؑ کی طویل حیات کا جو قائل ہے وہ غیروں کا گروہ ہے۔

حسینیتؑ مخالفت کی زد پر
با آلِ نبی ہر کہ درافتاد برافتاد

نادِ علی کانفرنس کی کارروائی دیکھ کر اور یہ معلوم کرنے کے بعد کہ خود ہم میں وہ حزب اختلاف موجود ہے جو عزائے امام کو اپنے فتاوے سے پاش پاش کرنا چاہتا ہے اس محل پر خانوادہ عصمت وطہارت کا وہ شعر یاد آتا ہے جو شاید اسی موقع کے لئے بارگاہ سے صادر ہوا ؎

نحن بنو مطّلب ما عاد انا الّا قد خرب
وما عوانا کلبٌ الّا وقد جرب
(من شآء فلیجرب)

ہم اولاد عبدالمطلب ہیں جو کوئی گھر ہم کو دشمن رکھے گا وہ تباہ ہو جائے گا اور جو کتا بھونکے گا وہ خارش میں مبتلا ہوگا جس کا جی چاہے آزما کے دیکھے۔ سچ فرمایا بنی امیہ کے فلک نما قصر گر گئے عباسی حکمرانوں کے اونچے اونچے ایوان اینٹ سے اینٹ بج گئی ان مخالف طاقتوں کا کوئی نام لینے والا بھی باقی نہیں قاضی شریح کے فتوے حق وصدق کے مقابلہ میں پارہ پارہ ہو گئے رونا بدعت ہے کہنے والے جب وقت پڑتا ہے تو دھاڑیں مار مار کر روتے اور آنسو بہاتے ہیں۔ عزاداری درسِ فطرت ہے اور ماتمی جلوس پائمال شدہ حقوق کے صحیح ترجمان ہیں جو نہ بند ہوئے نہ آئندہ بند ہوں گے۔ کانگریس کا وہ جلوس جو مسلم لیگ میں مسلمانوں کی علیحدگی سے پہلے نکلا تمام لیڈر ہندو مسلم سب برہنہ پا تھے اور انگریزوں کے خلاف یہ وہ سوگوارانہ گشت تھا جو اپنی نوعیت میں نرالا تھا۔

ظفر علی خان ایڈیٹر زمیندار نے جو شعر کہا وہ تاریخ میں محفوظ ہے یہ شیعہ اقلیت کی نقالی اور روز عاشور کی مشایعت ضریح کا عکس تھا جس پر کسی سیاسی طاقت کو نکتہ چینی کا محل نہیں ہے۔

زیادہ افسوس کا یہ مقام ہے کہ خود ہم میں غمِ امام پر ناک بھوں چڑھانے والے موجود ہیں کاش انھوں نے غور کیا ہوتا کہ ان سے پہلے کے طبقہ نے فتوے دے کر کیا پایا اگر قوتِ اجتہاد اور استنباط جناب والا میں موجود ہے تو رجحانات عصری پر احکام صادر فرمائیں ٹیلیویژن۔ عمل جراحی میں پیوند کاری، بینک سے تجارت اور سود اہم مسائل قوم کے سامنے ہیں اور اگر ملت گریہ کن ہی پر نظر عنایت ہے تو بے پردہ خواتین کی جلوس جہلم و عشرہ میں شرکت کو روکو، لاؤڈ اسپیکر پر ان کی نوحہ خوانی ذاکری پر صرف توجہ کرو قید خانہ شام میں سکینہؑ کی رحلت پر حکم امتناعی صادر کر کے یہودیت کو مدد نہ پہنچاؤ وہ شام کے مقامات مقدسہ پر گولہ باری کرنے پر تیار ہے خدا وہ وقت نہ لائے کہ شعائر خدا برباد ہوں، جن روایات پر اس طبقہ کی طرف سے احتجاج ہے ان میں روایت زعفر جن جو قرآنی مفہوم کی تائید ہے بعثت انبیاءؑ جن والانس دونوں پر ہوئی اگر جنات کے قبیلہ آمادہ نصرت ہوں تو کیا تعجب ہے۔ میرے ایک مقالہ پر علامہ اختر علی تلہری نے لکھنؤ سے روایت زعفر کے خلاف قلم اٹھایا اور ثبوت و دلیل میں مولانا سید ظہور الحسن صاحب بارہوی مشہور فلسفی کا نظریہ اور شرر کے خلاف جو مقالات سنی شیعہ جرائد میں طبع ہوئے شرر کو حسب ذیل افراد نے حسینی دشمنی اور یزید دوستی پر الزام دیا (۱) مولوی محمد ابراہیم حنفی وکیل حیدرآباد دکن (۲) حکیم احمد حسین الہ آبادی حنفی مترجم ابنِ خلدون (۳) اخبار نسیم سحر (۴) جریدہ روزگار (۵) اخبار روزانہ دہلی، یہ وہ وقت تھا کہ لکھنؤ اہل کمال سے چھلک رہا تھا ان حضرات نے کیا لکھا قید خانہ شام میں رحلت کے اقوال

کو ترجیح دی اور اختیار کیا تاکہ جو روایات دشمن پیش کرتا ہے بزم شعر و سخن میں شرکت محفل طرب میں تعاون وہ کالعدم ہوجائے اور وقار عزا باقی رہے رواسم عزا جاری رہیں اسلاف غلط واقعات کو فروغ پر الزام سے محفوظ رہیں ان مقالات کے نشر کا دور ۱۳۱۶ھ تھا۔ قید خانہ شام کی روایت سے بھرپور فائدہ اٹھانے والے اسکاتِ خصم میں کامیاب اور شہر گہرے سمندر میں غرق کر دیا گیا آج جبکہ شمع کی لو بلند ہونے کے بجائے بلب برقی روشنی کا نیچے رہتا ہے جب ترازو (میزان) کا ایک پلّہ رہ گیا' اور چیزیں تُل جاتی ہیں جب رقص و سرود کی حرمت صنعت فلم میں تبدیل ہوگئی جب کذب کا نام سیاست ہوا۔ جدید لٹریچر میں عبدالحلیم شرر کے جواب کی لپیٹ میں قید خانہ شام کی روایت کو ضعیف اور سکینہؑ کی طولِ عمر کو صحیح قرار دینے والے طبقہ نے دو روایتیں بڑے طمطراق سے پیش کیں جس کا جائزہ لینے پر مجھے پنجاب کے زندہ دل احباب نے زور دیا اور میں حسینؑ ابنِ علیؑ کے کرم سے دونوں کو غیر مفید سمجھتا ہوں۔

(۱) بحار الانوار کی گیارہویں جلد کی وہ روایت کہ سکینہؑ نے بھائی زین العابدینؑ کے سفر حج کے وقت ہزار درہم خیرات کے لئے بھیجے اور چوتھے امام نے گھر سے برآمد ہونے پر کھڑے کھڑے وہ رقم محتاجوں میں تقسیم کر دی۔ علامہ مجلسیؒ نے یہ واقعہ ابنِ صبّاغ مالکی غیر شیعہ کتاب سے نقل کیا ہے اور وہ طبقہ طول کا قائل ہے لہٰذا یہ حجت نہیں اور ایسا ہے جیسے کوئی قرآن حکیم سے لاتقربوا الصلوٰۃ پیش کرے مجلسیؒ کا ملت پر احسان ہے کہ وہ حوالہ دیئے بغیر قلم نہیں اٹھاتے۔

دوسری روایت یہ پیش کی ہے کہ امام حسینؑ قرضدار تھے ان کی ملکیت میں ایک چشمہ تھا جس کو فروخت کرکے بعد واقعہ کربلا وہ قرض ادا کیا گیا اور مشتری نے بیع میں یہ شرط منظور کی کہ ہر ہفتہ کو چشمہ کا پانی سکینہؑ کی ملکیت شمار ہوگا اس روایت کی دو صورتیں ہیں یا منقطوع السند ہے سیاق عبارت میں اگر حوالہ سمجھا جائے تو احتمال

ہے کہ یہ بیان منہال بن عمر کا ہے۔ بنا بریں دونوں پہلوؤں سے ناقابل اعتبار اگر سند نہیں تو بے وقعت اور اگر سند ہے تو منہال رجال میں مجہول ہیں ان کی روایتیں قابل عمل نہیں۔

ایسے روایات سے استدلال کرنا جو اصول و روایت پر مستقیم نہ ثابت ہوں درست نہیں علاوہ اس کے روایت پر نظر کرنے سے متعدد پہلو قابل تسلیم نہیں ہیں جن کی صراحت کی احتیاج نہیں۔

ایک اور ٹھوس دلیل

اولاد پر والدین کی اچھائی اور برائی کا اثر پڑتا ہے ڈاکٹر مریض سے پوچھتا ہے کہ تمہارے ماں باپ کو تو یہ بیماری نہ تھی جس کا تم شکار ہو۔ موروثِ اعلیٰ کی خصوصیت نسل میں پائی جانا یقینی ہے اور تحقیق جدید ہمنوا ہے۔ اسی طرح بلاتشبیہ زناکار کے کردار بد کا ولدالزنا کی سات پشت تک اثر باقی رہتا ہے اور طہارت نسب پر کئی پشت کے بعد پاکیزگی تسلیم کی جاتی ہے۔ سکینہؑ اُس ماں باپ کی ہیں جو واقعۂ کربلا کا رکن اعظم اور مصائب کا مرکز۔ سکینہؑ نے واقعۂ کربلا اپنی آنکھ سے دیکھا۔ سکینہؑ کی ماں تاحیات سائے میں نہیں بیٹھیں عرب کی برف باری موسم سرما میں اور گرمی کی سختیاں، بارش کا زمانہ سب اُن پر زیرِ آسمان رہ کر گزرا۔ یہاں تک کہ سوگوار بیوہ کی وفات ہوئی سکینہؑ اسی وفادار ماں کی گود میں پلیں۔ اور مظلوم باپ کی یتیمہ ناممکن ہے کہ باپ کی مصیبتوں کو بھول کر اور ماں کی زندگی بھر غم والم میں بسر ہونے کو فراموش کریں اور شعر و سخن اور بزم ادب میں عمر بسر ہو۔

اطلاع

این خیال است و محال است و جنون ۔ آپ کو یہ بھی معلوم ہونا چاہیئے

کہ دنیا میں ایک نام کی سینکڑوں عورتیں ہوتی ہیں۔ سکینہؑ اہلبیت میں ہیں اور ان پر یہ شبہ نہیں ہو سکتا کہ وہ فرزند نوحؑ کی طرح بدکردار ہیں (نا اہل ہیں)

خاتمۂ کلام

ہر مرثیہ گو اور نوحہ خوان نے حضرت سکینہؑ پر اپنا کلام مرتب کیا جس کا یکجا کرنا دشوار ہے صرف اپنی اہلیہ مرحومہ کے چند اشعار پر قلم روکتا ہوں جو تابوت سکینہؑ کے ساتھ پڑھے جاتے ہیں یہ نظم بھی الواعظ کی چھپی ہوئی اور خبیر مرحوم کی اصلاح شدہ ہے وہی خبیر جن کو پیامِ موت اثنائے مجلس مرثیہ پڑھتے وقت پہونچا۔

جو تھی محبوب سرورؑ کو پسر سے	چھڑایا شمر نے جس کو پدر سے
پہلے رہتے تھے دُر کانوں میں جس کے	کئے رخسار جس بچی کے نیلے
اٹھا کر سختیاں جنت سدھاری	چلی ہے قید سے اُس کی سواری
میرے دل میں پڑے ہیں غم سے چھالے	چھٹے یاں آکے گودوں کے پالے
ستم شمرِ لعیں کے تھے نرالے	چھڑا کے لاشِ شہ سے مارے بھالے
جو تھی شبیرؑ کے نازوں کی پالی	اُسی مظلوم کی ہے یہ سواری
لعیں کو حال پر اب رحم آیا۔	برائے غسل جو سامان تھا لایا۔
کفن دوں گا میں زہراؑ کی ردا کا	کہا عابد نے یہ سامان لے جا
سکینہؑ نام تھا جس کا سدھاری	اُسی نادان کی ہے یہ سواری
جو تھی مظلوم شہزادی ہماری	جو تھی آقا کو میرے سب سے پیاری
ستائیں حیف ہے یوں اس کو ناری	فغاں کرتی ہے یہ ماں غم کی ماری
ہماری حسرتیں لے کے سدھاری	میری بچی کی جاتی ہے سواری
اٹھاؤں لاش خود ارمان بھی ہے	چلی دنیا سے یہ دکھ سہنے والی

میری ہمشیر کی ہے یہ سواری، دیا غسل و کفن خود ہی پنہایا
چلے زنداں سے لے کر ننھا لاشہ، اٹھائی لاش اور لشکر سنبھالا۔
تری غربت پہ صدقے میرے آقا چلی دنیا سے شہزادی ہماری،
خدا شاہد ہے کہ قائم کیا تھا، پریشاں ہوں ہے روشن حال میرا
میرے آقا کا چہلم کیا نہ ہوگا مدد بہرِ سکینہؑ ہو ہماری ؎
کہ جس مظلوم کی ہے یہ سواری ؎

والسّلام

آغا مہدی

مورخہ ۱۷ ربیع الاوّل ۱۳۹۰ھ

تذکرۂ مصنّف

(منظور ہے گذارش احوالِ واقعی)

از قلم یادگارِ انیس سید اصغر حسین سائق خلفِ جناب بالو صاحب فائق مرحوم

جناب زبدۃ العلما مدظلہٗ کو قوم نے اُس وقت سے پہچانا جب وہ اپنے والدِ ماجد کے حسبِ وصیت اُن کے بعد مسجدِ شاہی وقف حسین آباد مبارک کی امامت کے عہدے پر فائز ہوئے یہ انتخاب چھوٹے صاحب عالم نواب شمس الدین حیدر بہادر کے دورِ اقتدار میں ۱۴ ستمبر ۱۹۲۴ء کی تجویز سے عمل میں آیا علمائے لکھنؤ کو اس تقرری سے پورا اتفاق اور کوئی دوسرا امیدوار اس عہدے کا نہ تھا۔ کمیٹی کے بھرپور انہماک سے والدِ ماجد کی رحلت کے صرف سترہ دن کے بعد موروثی منصب پر پہنچایا اور آپ نے اپنے بڑے بھائی کی عراق سے واپسی پر مسجد میں نماز پڑھانے

کے فرائض ان کے سپرد کیے اور ریزولیشن کے لحاظ سے اصولاً اب تک اس عہدے پر آپ باقی ہیں۔ جوانی سے بڑھاپے تک طرزِ زندگی یہی رہا کہ مسجدوں میں نماز پڑھانے سے بہت میدان تصنیف ہے۔ آپ کی خدمات میں نمایاں قومی اور مذہبی خدمت یہ ہے کہ جب وقفِ ممتاز العلماء کو حکومت نے وقفِ عام قرار دے کر کمیٹی بنائی۔ اس وقت مقامی انجمنوں میں اصلاح المومنین کے مٹھی بھر لوگوں نے امامباڑہ میں شرکتِ مجلس کو حرام قرار دیا اور ہر سال عشرہ کی مجلسوں کو ناکام بنانے میں پوری طاقت سے کوشش کی۔ اس وقت صرف آپ تھے جنہوں نے بڑے بڑے علما کی سرپرستی میں مجلسوں کو اس کی روایتی شان پر باقی رکھا اور عزاداری کا وقار باقی رہا۔

۱۳۶۱ھ کی یلغار میں جب تقسیم ہند ہو رہی تھی۔ حسینیت کے درد ٹکڑے ہوئے اور اس تہمت نے جنم لیا کہ شبِ عاشور اور دسویں کی صبح تک پانی موجود تھا اس وبا میں آپ کا قلم اٹھا اور سب سے پہلے العطش سے لے کر الحسین تک جوانی اور پیری میں چوراسی برس عقلی اور نقلی بحث میں عمر صرف کر دی اور تین دن کی پیاس پر آنچ نہ آنے دی۔

آل انڈیا شیعہ کانفرنس کے اس اجلاس میں جو بمقام فیض آباد زیر صدارت مہاراجکمار امیر حیدر خاں با القابہ ہوا مغربیت نوازی میں کچھ ارکانِ کانفرنس نے طے کر لیا تھا کہ اچانک نسواں کانفرنس کا ریزولیشن پاس ہوگا اور عورتوں کی کانفرنس بھی وجود میں آئے گی۔

نواب علی سجاد حسین خان ڈپٹی کلکٹر محرک تھے اور یہ قرارداد پاس ہو کر لکھنوی دینداری پر وہ ضرب پڑتی جو آزادی نسواں کا پیش خیمہ تھی اس وقت آپ نے پہلی مرتبہ کانفرنس میں شرکت کی اور آنے والی قومی مصیبت کے روکنے میں حاجی سید

علی متقی صاحب سشن جج جبل پور (سی۔پی) اور اپنے دوسرے احباب کو ضلع فیض آباد کے تعاون کے لئے جمع کیا اور شکرِ خدا ہے کہ اس دینی عنصر کی موجودگی میں خان بہادر سید کلب عباس صاحب سیکریٹری مرحوم تحریک کو پیش نہ کر سکے۔

دوسرا اختلاف ایک اور موقع پر خان بہادر صاحب موصوف سے آپ کو کرنا پڑا اور ایک دستاویز سے انکار پر باطل کے آگے سر نہ جھکایا اور خان بہادر صاحب کو اپنی ناکامی پر کہنا پڑا "جن پہ تکیہ تھا وہی پتے ہوا دینے لگے"، یہ تھی وہ حقیقت جس کے بعد آپ کا بیت لائبریری سے کٹا اور وطن کی راہیں بند ہوئیں۔

آپ کا آخری کارنامہ لکھنؤ میں یہ تھا کہ وقفِ حسین آباد کے ٹرسٹی شپ کو بے عمل اولاد سے ہٹا کر قوم تک پہنچایا۔ اور وقف کا متولی ہر شیعہ جو شرائطِ وقف پر عمل کرے ہوسکا ثبوت کے کاغذات ذوائب کی تیسری جلد میں موجود ہیں۔ مدرستہ الواعظین میں حضرت سیدنا طاہر سیف الدین مرحوم سے ملاقات اور علمی خدمات کا اعتراف خود نوشتہ روزنامچہ اور زندگی کے حالات میں دیکھو۔

سید اصغر حسین تساآتو آلِ میر انیس
۳ مئی ۱۹۸۰ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

یا صاحب العصر والزمان المدد

قسم خدا کی بڑا نیک کام کرتے ہیں
غمِ حسینؑ کا جو اہتمام کرتے ہیں

نام کتاب

حسینؑ حسینؑ

مرتبہ و مؤلفہ

محمد وصی خاں

شخصیت امام عالیمقام پر حیرت انگیز معلوماتی تحقیقی بے مثال۔ مضامین کا نایاب مجموعہ جس کو پہلی بار اس کتاب میں یکجا کیا گیا ہے، ہزاروں سال کی محنت، ہزاروں سال کا نچوڑ اور ہزاروں روپیہ کی کتابوں سے حاصل کیا ہوا مواد ـــــــــ

ناشر

رحمت اللہ بک ایجنسی

بالمقابل بڑا امام بارگاہ، کھارادر، کراچی ۷۴۰۰۰

فون 2431577